

# اسلامی تحریک دوسری تحریکوں کے مقابل میں

نعیم صدیقی

گذشتہ سے پیوستہ

پھر سرمایہ دارانہ جمہوریت کی ساخت ایسی ہے کہ اس میں تبدیلی کی حرکت محدود پرست رفتار ہوتی ہے۔ تبدیلی کے لئے طریقہ ہی اتنا پڑیچ ہے کہ "آہ کو چاہیے" اک عمر اڑا ہونے تک! مثلاً اپوزیشن کی طرف سے کسی قانون میں کوئی اہم ترمیم مطلوب ہے۔ اس کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ اس ترمیم کو اخبارات اور جلسوں کے ذریعے پبلک کے سامنے رکھا جائے اور رائے عام کو اس کے حق میں ہموار کیا جائے۔ دوسرا قدم یہ ہے کہ اس کے لئے عام مطالبے کی ایک لہر پیدا کر کے دکھا دی جائے۔ اس کے بعد اگر آپ اسے پارلیمنٹ میں پیش کرتے ہیں تو ضروری نہیں کہ اسے قبول کر لیا جائے۔ اب پھر آپ عوام کے سامنے فریاد لے کے نکلے۔ پھر آپ نے احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ شروع کیا، اور دوسری طرز پارلیمنٹری پارٹیوں سے ساز باز کی ہم کا آغاز کیا اور ایک مدت کے بعد دوبارہ اس ترمیم کو کسی اجلاس میں لائے۔ ہو سکتا ہے کہ ملک کے دباؤ کے تحت اسے قبول کر لیا جائے، لیکن اس میں حکمران طاقت اتنا تصرف کر دیتی ہے کہ ترمیم کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ الغرض ایک چھوٹی سی تبدیلی کے لئے بسا اوقات برسوں کی جدوجہد مطلوب ہوتی ہے، لیکن اگر کچھ ذرا بڑی تبدیلیاں مطلوب ہوں تو پھر آپ میدان میں نکلنے اور ایک نئی پارٹی تیار کیجئے، اس کی ترویج و استحکام میں عمر کھپائیے اور جب پھر وہ پارٹی جوان ہو کر رائے عام کو ساتھ لے لے تو پھر وہ موقع آئے گا کہ حالات میں چند تبدیلیاں واقع ہوں۔ اس سے بھی آگے اگر آپ دستور

لے پاکستان میں اس کی اہم مثال سینٹی قوانین ہیں جن کے خلاف ملک چار سال سے چیخ رہا ہے، پریس ان کے خلاف لکھ رہا ہے، جلسوں میں ہزاروں مرتبہ ریزولوشن پاس ہو چکے ہیں۔ "لیکن زمین جیند نہ جیند گل محمد! زان گل محمد صاحب سے نجات پانے کے لئے بخائے پاکستان کی پارٹیوں کو مزید کتنی مدت تک ایڑیاں رگڑنی پڑیں؟

ہی کو بدلنا چاہتے ہوں تو ہو سکتا ہے کہ آپ کو سول وار لٹنی پڑے۔

سرمایہ دارانہ جمہوریت "فرد کی آزادی" کا ڈھول خوب پیٹتی ہے۔ مگر یہ آزادی فی الحقیقت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ فرد سرمایہ دار طبقہ کے مفاد کے خلاف کوئی جنبش نہ کرے۔ ورنہ پھر یہ جمہوریت فاشزم کی سطح پر اکھڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ امریکہ میں جو لوگ سرمایہ دارانہ نظام کو بنیادی طور پر بدلنا چاہتے ہیں ان کی سرگرمیوں کے لئے سرکاری اصطلاح جو استعمال کی جا رہی ہے وہ "امریکی دشمن سرگرمیوں" Un-American Activities کی ہے۔ نومبر ۱۹۵۰ء میں ان سرگرمیوں کی جڑیں کھودنے کی باقاعدہ مہم شروع کرنے کا اعلان کیا گیا تھا اور اس کے بعد "امریکی دشمن سرگرمیوں" کا جن افسروں پر شبہ ہوا ان کو برطشہ Purge کیا جا رہا ہے اسی مقصد کے لئے "سول سروس کمیشن" کی جگہ اب "فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن" کو دی گئی ہے جو ۱۹۴۷ء سے تمام سول ملازمین کا جائزہ لینے پر مامور ہے کہ "کیونسٹ میلانات" کہاں کہاں پائے جاتے ہیں۔

اس توضیح سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جمہوری نظاموں میں کسی بڑی اصولی تبدیلی کے لئے کوئی راستہ کھلا ہوا نہیں ہے۔

آخر میں یہ بھی کہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فلسفہ الحاد نے جو اخلاق بانٹے انسان تعمیر کر کے دیا ہے وہ اپنے آپ پر بھی اعتماد کرنے پر تیار نہیں ہے۔ چنانچہ مغربی جمہوریتوں کا ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ حکومت اور عوام، صدر اور پارلیمنٹ، نمائندے اور ووٹرز کے سب ایک دوسرے کو بے اعتمادی سے دیکھتے ہیں۔ اس بے اعتمادی کی وجہ سے طرح طرح کی پابندیاں اور قہم قہم کی قہم ہیں جو جمہوریت کے طریق کار میں قدم قدم پر لگائی جاتی ہیں۔ لیکن اخلاقی دیوالیہ پن اپنا جوہر دکھانے بتیر نہیں رہتا۔ اس عام بے اعتمادی نے بھی جمہوری نظاموں کو کھوکھلا کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔

حضرات! یہ وہ مفسدہ ہیں کہ جن کی وجہ سے مغرب کے جمہوری نظاموں کے اندر وہ جوہر

بالکل نباد ہو گیا ہے کہ جس کے بغیر جمہوری نظام میں سرے سے کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔

سرمایہ دارانہ جمہوریت کا معاشی پہلو | مغرب میں تحریک جمہوریت کے ساتھ ساتھ جو نظام معیشت پروان

چڑھا ہے اسے ہم سرمایہ دارانہ نظام کے نام سے جانتے ہیں۔

یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مغرب کے دور جدید کی سربراہ کاری بورژوا طبقہ کے ہاتھ میں تھی

اور اس نے جمہوری انقلاب اور صنعتی انقلاب کے پورے پورے فوائد اپنے لئے سمیٹ

لیئے ہیں پوری پوری خود غرضی سے کام لیا۔ پرانے بادشاہوں کو اور جاگیرداروں اور پوپوں کو ان کے

مقام سے ہٹا کر یہ لوگ خود ان کی خالی جگہوں پر قابض ہو گئے۔ ظلم کی جوتلواریں پرانے ظالموں کے

ہاتھوں سے چینی گئی تھیں ان کو ان نئے ظالموں نے اپنی کمر سے باندھ لیا۔ اب جو نیا نظام بنا

اس کی بنیادیں اس طبقہ نے اپنے مفاد کے مطابق استوار کیں۔ علوم و فنون، حکومتوں کے ڈھانچے

قوانین کی حد بندیاں، تعلیم کے نقشے اور سوسائٹی کے مختلف اداروں کے طریقہ کار اسی طبقہ

کی اغراض کے سانچوں میں ڈھل گئے۔ اس طرح جمہوری تحریک کے سائے میں معاشی نظام نے

جوش و نہما پائی وہ بھی سرمایہ دارانہ معیشت پر منتج ہوئی۔

سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیادیں جن اصولوں پر استوار کی گئیں ان میں سے بڑے بڑے

اصول یہ ہیں :-

اس نظام کا پہلا اصول یہ ہے کہ شخصی ملکیت کا حق بالکل غیر محدود ہونا چاہیے۔ افراد کے

لئے پوری آزادی ہو کہ وہ جو املاک جیسے چاہیں حاصل کریں، ان کو نفع اندوزی کا ذریعہ بنائیں،

اور ان کے بل پر دنیائے معیشت میں تاخست کریں۔ اس حق پر بالعموم کوئی قانونی و اخلاقی قید

نہ ہونی چاہیے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ فرد کے لئے آزادی سچی کا پورا پورا حق محفوظ ہونا چاہیے۔ یعنی

اپنے سرمائے، اپنے وسائل، اپنے دماغ اور اپنی محنت کو افراد میدان معیشت میں جس جس

طریقے سے بھی استعمال کرنا چاہیں اور جو بھی فائدہ ان کے بل پر اٹھانا چاہیں، اس میں

ان کو پوری آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ سوسائٹی کو آزادی سہمی کے اس حق میں رکاوٹیں ڈالنے سے باز رہنا چاہیے۔

تیسرا اصول یہ ٹھیکر کہ معیشت کے ارتقا اور معاشی معاملات کی درستی کے لئے ذاتی نفع محرک عمل ہوگا۔ نفع کا محرک ہی سرمایے اور قویٰ کو میدان میں لائے گا، نفع کا محرک ہی زراعت، صنعت اور تجارت کی ترقی کا موجب ہے گا نفع کا محرک ہی کثیر پیدا آوری اور زود پیدا آوری کا ذریعہ بنے گا، نفع کا محرک ہی ایجاد و اختراع کا ضامن ہوگا اور نفع کا محرک ہی سوسائٹی کی گونا گوں ضروریات کو پورا کرنے کا وسیلہ ہوگا۔ پھر نفع کا محرک ہی مقابلہ پیدا کرے گا اور یہی محرک قیمتوں کو سنبھالے گا۔

چوتھا اصول سرمایہ دارانہ معیشت نے یہ اختیار کیا کہ آزادانہ مقابلہ و مسابقت کی فضا قائم رکھی جائے گی۔ افراد اپنے اپنے سرمایے اور اپنی اپنی صلاحیتوں اور اپنے اپنے ذرائع و وسائل کو لے کر میدان معیشت میں جس طرح چاہیں آزادی سے مقابلہ و مسابقت کریں۔ آزادانہ مقابلہ و مسابقت کی فضا میں جو جس کو پھچاڑ لے اور جو جس طرح چاہے آگے بڑھ جائے، اس میں سوسائٹی کی مداخلت نہ ہونی چاہیے۔

پانچواں اصول یہ طے پایا کہ اجیر اور مستاجر کے حقوق میں بالکل بنیادی فرق ہے اور اسے بحال رکھ کر ہی ان کے باہمی مسائل کو طے ہونا چاہیے۔ ہر کاروبار میں مالک اور ملازم و مزدور دو الگ الگ عناصر باہل الگ الگ حیثیتیں رکھتے ہیں۔ مستاجر جس کا سرمایہ لگتا ہے، بوساری منصوبہ بندی کرتا ہے، جو کاروبار کے نفع کے ساتھ ساتھ نقصان کا خطرہ بھی مول لیتا ہے اس کے حقوق بالکل جدا گانہ ہیں، اور اجیر جس کو ہر سال میں اپنی اجرت سے مطلب ہے اس کے حقوق بالکل دو ستر ہیں۔ ان دونوں کے باہمی معاملات حالات کے زیر اثر خود بخود جس طرح طے ہوتے ہیں وہی فطری صورت ہے۔ مستاجر کی کوشش فطرۃً یہ رہے گی کہ وہ اجیر کو کم سے کم دے اور اجیر کی جدوجہد لازماً یہ ہوگی کہ وہ اپنی محنت کا زیادہ سے زیادہ معاوضہ پائے۔ دونوں کی یہ کشمکش بالکل فطری ہے اور یہ فطری کشمکش فطری قوانین کے تحت خود بخود کسر و انکسار سے گذر کر اجیر اور مستاجر

کے درمیان حقوق کا توازن قائم رکھے گی۔

چھٹا اصول یہ ہے کہ معاشی ارتقا کا دار و مدار فطری قوانین پر ہونا چاہیے۔ یعنی جس نظام معیشت میں ذاتی نفع ہی محکم عمل ہو، اس میں کاروباری طبقہ مجبور ہے کہ میدان مسابقت میں اچھے سے اچھے آلات استعمال کرے، بہتر سے بہتر تنظیم پیدا کرے، اجناس خام ارزاں سے ارزاں حاصل کرے اور ترقی کی ہر ممکن تدابیر اختیار کرے۔ اس وجہ سے سرمایہ دارانہ معیشت کی منصوبہ بندی قوانین فطرت خود بخود بہترین طریق پر کرتے رہتے ہیں۔ اس نظام میں کسی منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہاں قوانین فطرت پر کئی اعتماد کرنا چاہیے۔

ساتواں اصول یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت کی فلاح و ترقی اور اس کے فطری نتائج کے ظہور کا دار و مدار ریاست کی عدم مداخلت پر ہے۔ ریاست افراد کے مفاد کی محافظ ہے، ان کے حقوق کی نگراں ہے، انکی ترقی کے لئے امن اور نظم قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے، مگر ان کی کاروباری سرگرمیوں میں مداخلت کرنا اس کا کام نہیں۔

سرمایہ دارانہ معیشت کے مفاسد | یہ اصول جو سرمایہ دارانہ معیشت نے اختیار کئے تھے ان میں بعض بڑی بڑی صدائیں بھی شامل تھیں، لیکن ان صدائوں کو بعض مہلک تصورات کے ساتھ ترکیب دی گئی اور پھر یہ مرکب اصول جب تنزیہ الحاد کے غیر اخلاقی ماحول میں اُس خطرناک انسان کے استعمال میں آئے جو تنزیہ الحاد کے سانچے میں ڈھلا تھا تو ان اصولوں نے مفاسد کے برگ و بار لانے شروع کر دیے۔

سب سے بڑی بنائے فساد تو یہ تھی کہ بے قید نظام معیشت میں سوسائٹی کے سارے عناصر اور سارے طبقات کے لئے فوائد سمیٹنے کے مواقع یکساں نہ تھے، بلکہ اس نظام میں لُٹس چھانے کا موقع پورے کا پورا سرمایہ دار طبقے کے لئے تھا، اور اس نے اس خواہش کو لُٹنے میں واقعہ بھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ انفرادی آزادی اور آزاد مقابلہ کی فضا صرف اسی ایک طبقے کو راس آسکتی تھی جو سرمایہ دارانہ، سیاسی اختیارات اور اثر و رسوخ وغیرہ سارے ہی پہلوؤں

سے بلا درست تھا۔

انہیں حالات حکومت کی عدم مداخلت کے اصول نے اور تم ڈھایا۔ مشین کی کثیر پیدا آوری جب بے کاری کا بل بجاتی ہوئی آئی تو محنت پیشہ لوگ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں آ کر سہ ماہیہ دار طبقے کے قدموں میں گرنے لگے۔ محنت کاروں کی اس بے بسی سے سرمایہ دار طبقہ نے اپنی بلا و تزیوں کا پورا پورا ناجائز فائدہ اٹھایا اور میں مانی اجرتوں اور شرائط پر انسانی محنت کو غلامی میں لے لیا انسان بالکل جانوروں کی طرح استعمال کئے گئے اور جہاں کوئی ناکارگی کی حالت میں مبتلا ہوا اس کو کورا جواب دے کر بے بسی کے کھڈ میں دھکیل دیا گیا۔ حکومتیں جو سرمایہ دار طبقہ کے زیر اثر تھیں اس صورت حالات کو دیکھتی رہیں لیکن وہ کچھ نہ کر سکیں، کیونکہ وہ عدم مداخلت کے اصول کی پاسند تھیں۔

دوسرا بڑا مفسدہ یہ پیدا ہوا کہ "نفع" جب نصب العین بٹھرا تو ذاتی مفاد کے لئے سرمایہ دار طبقہ نے اجتماعی مفاد کو شدید سے شدید ضرر پہنچانے میں بھی کوئی تامل نہ کیا۔ چنانچہ نفع پرستی نے ذخیرہ اندوزی کر کے قیمتیں چڑھانے اور ایک ایک جنس کے کئی کئی بار غائبانہ سودے کر کے اس میں سے بار بار نفع چھڑانے کی بیماری پیدا کر دی۔ پھر قیمتوں کو مطلوبہ سطح سے نیچے گرنے سے روکنے کے لئے ہزار ہا ضرورت مندوں کو آنکھوں کے سامنے ترستا چھوڑ کر اجناس اور پیداواروں کو سمندر میں ڈبوئے اور آگ لگا کر تلف کر دینے تک کے طریقے اختیار کئے جانے لگے۔ پھر اس نفع پرستی نے سرمایہ دار طبقہ کو اتنا پست کر دیا کہ انہوں نے اپنی قوموں میں تعینات کاروگ پھیلایا تاکہ ان کے لئے کماٹی کا وسیع میدان پیدا ہو۔ انہوں نے نہایت درجہ مضر صحت اور مخرب اخلاق مصنوعات کو بیچ کر نفع حاصل کرنے کے لئے اپنی ہی قوموں میں لکش پروڈیوٹس کے ذریعے انکی چاٹ پیدا کی۔ تکلفات اور آرائشات کو بڑھا کر اور ضروریات اور تفریحات کا میدان وسیع کر کے عوام کی جیبیں کاٹی گئیں۔ پھر یہ نفع پرستی ہی تھی کہ جو اپنی قوم کی قوت خرید کو پوری طرح چھڑ لینے کے بعد دوسری قوموں میں منڈیاں بنانے کے لئے نکلی اور اس مقصد کے لئے اس نے نوآبادیاتی

کشاکش اور جنگ و جدال کا ایک طوفان اٹھا کر پورے کرہ ارض کو امن و امان سے محروم کر دیا۔ تیسرا بڑا مفسدہ جو اس نظام کے بطن سے رونما ہوا، سود خواری کا مفسدہ تھا۔ نفع پرستی کے روگ نے اہل سرمایہ میں سیرت کی اتنی پستی پیدا کر دی کہ وہ اپنا زائد سرمایہ کسی فرد اور فرم تو کیا، اگر حکومت اور قوم کو بھی مستعار دیں تو اس شرط پر دیں کہ لینے والے کو نفع ہو یا نقصان، ان کو بہر حال طے شدہ منافع ملنا چاہیے۔ حد یہ کہ اگر ملک و قوم کسی دشمن کی مدافعت کے لئے بھی قرض لیں تو دفاع کے لئے جانیں دینے والوں کے مقابلے میں اس ذلیل طبقے کا مطالبہ بہر حال اپنی جگہ اٹل تھا کہ ان کے سراسے پر اتنے فیصدی سود سالہ سال تک ضرور ادا ہوتے رہنا چاہیے۔ سود کے اصول پر منافع کے یک طرفہ بہاؤ کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ معاشی توازن تیزی سے بگڑتا گیا۔

چوتھا مفسدہ یہ رونما ہوا کہ اس نظام معیشت نے اخلاقی دیوالیہ پن کو عملاً مکمل کر دیا۔ ہمدردی، تعاون، رحم، شفقت اور اس طرح کے دوسرے تمام انسانی اوصاف سوسائٹی میں بالکل مرجھا کر رہ گئے۔ معاشرہ کے رگ رگ میں زر پرستی، بندگی، شکم، خود غرضی اور دوسرے حیوانی جذبات کا زہر پوری طرح سرایت کر گیا۔

اور ان سارے مفاسد کا مجموعی نتیجہ ایک اور بڑے مفسدے کی صورت میں رونما ہوا۔ وہ یہ کہ سوسائٹی میں فرد فرد اور طبقے طبقے کے درمیان کشاکش شروع ہو گئی۔ قزین داخلی طور پر نظام اور مظلوم عناصر میں بٹ گئیں اور ان عناصر کی باہمی کھینچتا یونوں نے سارے نظام تمدن کو امن و سکون سے محروم کر دیا۔

یہ ہیں وہ مفاسد جو اس نظام کی مجموعی ترقی میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔ آج حال یہ ہے کہ مشینیں زیادہ پیداواریں دے سکتی ہیں مگر چونکہ حوام کی قوت خرید گر رہی ہے اس لئے مشینوں سے مزید کام لینا بے کار ہے۔ سرمایہ وافر مقدار میں موجود ہے مگر سرمایہ لگانے کے راستے بند ہیں۔ کام کرنے والے موجود ہیں مگر کام نہیں، اس لئے وہ بے روزگاری کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس طرح مجموعی ترقی رک گئی ہے۔

ان مفاسد کو خود سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے کارپرداز بھی محسوس کر رہے ہیں۔ ان کے خلاف ذہین لوگ چینیے اور چلاتے بھی ہیں، اور یہ ہر جگہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ حالت ہونی نہ چاہیے۔ لیکن اصلاح کی جو تدابیر اس نظام کے کارپرداز اختیار کر رہے ہیں وہ کسی اصولی تبدیلی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ اس نظام کے سارے اصولی مفاسد کو جوں کا توں برقرار رکھتے ہوئے کوشش یہ کی جا رہی ہے کہ مزدوروں کو مزید کچھ مراعات دے دی جائیں۔ کہیں ان کی اجرتوں میں کچھ اضافہ کیا جا رہا ہے کہیں کچھ پنشن دینے کا انتظام ہو رہا ہے، کہیں ان کو علاج کی مزید سہولتیں دے دی گئی ہیں اور کہیں ان کے لئے کاروبار کی حصہ داری کے دروازے کھولے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ جو کچھ ہو رہا ہے، انصاف کرنے کے جذبے سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ محض کمیونزم کی روک تھام کے لئے ہو رہا ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ کے لئے ایک آخری دفاعی پالیسی ہے جو امریکہ، برطانیہ اور دوسرے جمہوری ممالک میں اختیار کی جا رہی ہے۔

اس گفتگو سے آپ اندازہ کر سکتے کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کی تحریک نے انسانیت کو جس مقام پر لاکھڑا کیا ہے وہ کیا مقام ہے۔ انسان جس جنت کا تصور باندھ کر اس کی انگلی پکڑ کے چلا تھا آج وہ تصور درہم برہم ہو چکا ہے۔

## ۲۔ سوشلزم

تہذیب الحاد کے بلن سے سرمایہ دارانہ جمہوریت کی جو تحریک نمودار ہوئی تھی وہ جب اس تلخ انجام تک انسانیت کو پہنچا چکی اور اس کے خلاف ہر طرف ایک صدائے احتجاج بلند ہونے لگی تو اس ماور تہذیب نے دنیا کو ایک اور تحریک جن کے دی جسے اشتراکیت اور سوشلزم کا نام دیا جاتا ہے۔

سوشلزم کی تحریک جمہوریت کی تحریک سے جتنے اختلافات اور تضاد رکھتی ہے ان کے باوجود اس کی فطرت، اس کی سیرت، اس کا مزاج، اس کی ذہنی بنیادیں اور اس کی رگوں کا خون وہی ہے جو اس کی پرانی حریف تحریک کا تھا۔



یہ تحریک سرمایہ دارانہ جمہوریت کے مفاسد کے رد عمل کے طور پر نمودار ہوئی ہے۔ یہ ایک ایسی ذہنی فضا میں پروان چڑھی ہے جس میں انتقامی جذبات رچے بسے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے یہ اپنے مزاج میں ایک جذباتی انتہا پسندی اور ایک اندھا تشدد لئے ہوئے ہے۔ یہ تہذیب الحاد کے خلاف پوری انسانیت کی طرف سے اعلان جنگ کرنے نہیں اٹھی، بلکہ تہذیب الحاد کے سائے میں ایک طبقے کی طرف سے دوسرے طبقے پر تلبہ بولنے اٹھی ہے۔ سرمایہ دارانہ جمہوریت کے مقابلے میں جو نیافسکری جوہر اس نے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کو جنت بنانے کے لئے اور سوسائٹی کو امن اور خوشحالی اور ترقی دینے کے لئے بنیادی اصلاح یہ ہے کہ انسانی آزادی کا قطعی طور پر خاتمہ کر دینا چاہیے اور افراد کو ایک قابرانہ نظام اجتماعی کے تحت جکڑ کر اصلاح کو باہر سے بالجبر اس کے اوپر مسلط کرنا چاہیے اور اصلاح کی اس تدبیر کو عمل میں لانے کے لئے پہلے ہی قدم پر فرد کے حقوق ملکیت کا کلی استیصال کر دینا ناگزیر ہے۔

جمہوری اشتراکیت | فکری لحاظ سے اس تحریک کی کوئی شاخیں ہیں جو مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ لیکن عملی حیثیت سے اس کی دو ہی بڑی قسمیں ہیں :-

ایک ہے جمہوری اشتراکیت Democratic Socialism اور دوسری ہے

انقلابی اشتراکیت Revolutionary Socialism

جمہوری اشتراکیت کے علمبردار "قومی ملکیت" کے اصولوں کو تدریجی طور پر آئینی ذرائع سے نافذ العمل کرنے کو زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن اب تک اس طریقے کو جہاں جہاں آزایا گیا ہے، تجربات حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جمہوری اشتراکیت اب تک بالکل ناکام ہے اس کا سب سے بڑا اور مکمل تجربہ برطانیہ میں لیبر پارٹی نے کیا ہے۔ لیکن واقعات گواہ ہیں کہ یہ

جمہوری اشتراکیت کے تجربے کے لئے برطانیہ سے بہتر فضا کسی اور ملک میں نہ کہی تھی، نہ ہے۔ برطانیہ اس لحاظ سے دوسرے تمام ممالک سے پیش پیش ہے کہ وہاں کوئی گروہ رائے عام کو تیار کر کے آئینی طریقے سے حالات کو تدریجاً بدل سکے۔

تجربہ بڑی طرح ناکام ہو چکا ہے۔ جتنی بھی صنعتوں کو لیبر پارٹی نے نیشنلائز کیا بلا امتیاز ان میں سے ہر ایک کی یا تو پیدا آوری میں کمی آئی ہے یا پیداواروں کی قیمتیں نمایاں طور پر چڑھی ہیں اور عین الاقوامی مسابقت کے میدان میں برطانیہ نے نیشنلائزیشن کی پالیسی اختیار کرنے کے بعد اپنی پیمانہ زندگی کو بڑی طرح محسوس کیا ہے۔ چنانچہ لیبر پارٹی کو ہٹا کر کنزرویٹو پارٹی کو برطانوی عوام کا دوبارہ برسرِ اقتدار لانا صرف مشرق وسطیٰ کے مسائل کا ردِ عمل ہی نہیں ہے بلکہ نیشنلائزیشن کی ناکامی کا دخل بھی اس میں اولین اہمیت رکھتا ہے۔

یہ تجربہ ناکام کیوں ہوا؟ اس کے تین سبب ہیں :-

ایک یہ کہ پوری صنعتوں کو بلکہ پورے ذرائع پیداوار کو نیشنلائز کرنے کے بجائے سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے فریم کے اندر ہی اندر چند صنعتوں کو حکومت کی تحویل میں لیا گیا۔ اس طرح ایک نظام معیشت میں دوسرے نظام معیشت کا پوند لگانے سے وہ نقصا پیدا ہوتا ہے جس کے ہوتے ہوئے نیشنلائزیشن کے نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ ایک صنعت کا دامن دوسری تمام صنعتوں سے، بلکہ زراعت اور تجارت کے نظام سے بھی بندھا ہوتا ہے۔ اس لئے پورے نظام معیشت میں سے چند صنعتوں کو الگ کر کے نیشنلائز کرنے سے وہ نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا جو ہونا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ قومی ملکیت کے اصول کو صنعتوں پر نافذ کرتے ہوئے یہ بہت ہی ناگزیر ہے کہ ملک کو بیرونی دنیا سے منقطع کر لیا جائے۔ تاکہ پیداواروں، اجرتوں اور قیمتوں کو لوگ دوسرے ممالک کی پیداواروں، اجرتوں اور قیمتوں کے مقابلے میں رکھ کر نہ دیکھ سکیں۔ آہنی پردہ

Iron Curtain اشتراکیت کو نافذ العمل کرنے کے لئے ایک بنیادی ضرورت ہے۔

لیکن برطانیہ جیسی آزادی پسند اور جمہوریت پسند قوم اس قسم کا سلوک برداشت کرنے پر تیار نہیں ہو سکتی۔ لہذا تجربہ ناکام رہا۔

تیسرے یہ کہ مذکورہ بالا دونوں مقاصد کے لئے یہ بات بھی ضروری تھی کہ برطانیہ پر ایک کڑی ڈکٹیٹر شپ مسلط ہوتی، جس کے مقابلے میں نہ سرمایہ دار طبقہ کوئی جنبش کر سکتا، نہ رائے عام

سراٹھا سکتی، نہ پر میں کان ہلاتا، نہ کوئی احتجاج کرنا ممکن ہوتا اور نہ کوئی مخالفانہ انتہائی ہم چلائی جاسکتی۔

یہ تینوں شرائط صرف انقلابی اشتراکیت ہی کے تحت پوری ہو سکتی ہیں اور جب تک یہ پوری نہ ہوں جمہوری اشتراکیت کے تجربہ کی کامیابی کا آئندہ بھی کوئی امکان نہیں ہے۔

انقلابی اشتراکیت | سوشلزم کی تحریک اگر عملاً ایک نظام دنیا کو دے سکی ہے تو صرف انقلابی راستے سے دے سکی ہے۔ انقلابی سوشلزم کا تجربہ روس کی سرزمین میں مکمل صورت میں ہمارے سامنے ہے اور ہم اس کا پورا پورا جائزہ لے سکتے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ تفصیلات کو درکنار رکھتے ہوئے اس کے تیس سالہ دور کا جو حاصل ہمارے سامنے آتا ہے وہ اتنا ہے کہ:

۱) اہلک کامنافع افسردگی جیوں میں جانے کے بجائے حکومت کے خزانے میں آنے لگا۔

۲) نظام معیشت کے حکومت کی تحویل میں آجانے کی وجہ سے اس کی منصوبہ بندی ممکن ہو گئی۔

۳) آدمیوں کو کام پر لگانے کا انتظام ہو گیا۔

۴) مجموعی منافع کا ایک حصہ سوشل انشورنس کی مد میں صرف ہونے لگا۔

لیکن اب دوسرے پہلو سے یہ دیکھئے کہ عوام کو قطعی طور پر Nok ملا کیا؟ ملک کے

پورے نظام معیشت کے مجموعی منافع کا ایک بڑا حصہ — اور بہت بڑا حصہ — تو وہ تھا جو

جنگی تیاریوں میں صرف ہونے لگا، پھر بقیہ کا بٹوارہ اس طرح ہوا کہ حکمران طبقے نے اس میں سے

اپنا حصہ خوب دل کھول کر لگایا۔ چنانچہ آج اسٹالین کی بیٹی کی شادی جس شاہانہ ٹھاٹھ کے

ساتھ ہوئی ہے وہ اسی اجتماعی منافع کے بل پر ہوئی ہے جسے پیدا کرنے کے لئے شہری مزدور

اور دیہاتی کسان معمولی معاوضے پا کر اپنی جان لڑاتے ہیں۔ اس اجتماعی منافع کا ہر شکل ایک دفعہ

حصہ ہے کہ جو سوشل انشورنس کی مد میں صرف ہوتا ہے۔ اس طرح عوام کے لئے حاصل خالص

بحورہ جاتا ہے وہ یہ ہے :-

ایک یہ کہ ہر شہری کے لئے اتنے روزگار کا انتظام کہ اس کے کنبے کو روٹی کپڑا ملنے لگے۔  
دوسرے یہ کہ اس کو بڑے وقت میں مالی سہارا مل جائے۔

تیسرے یہ کہ رفاہ عامہ کے مختلف ادارات پر سہ عمل رہیں۔

اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ اس حاصل کی عوام کو قیمت کتنی ادا کرنی پڑی ہے۔ اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے لئے اور قومی ملکیت اور کمیونسٹ ڈکٹیٹر شپ کو مستط کرنے کے لئے جو طوفان پا کرنا پڑا اہجان و مال کی بہت بڑی مقدار اسکی بھیڑٹ چڑھانی گئی۔ بہت ہی مختط اندازہ یہ ہے کہ انیس لاکھ جانیں اس انقلاب کی نذر ہوئی ہیں۔ بیس لاکھ افراد کو سنگین سزائیں دی گئی ہیں۔ کم سے کم چالیس پچاس لاکھ افراد کو ناک بدر ہونا پڑا ہے۔ اجتماعی زراعت کی ایک کم کو نافذ کرنے کے لئے چھوٹے اور متوسط زمینداروں پر جو مظالم ڈھائے گئے ہیں وہ اتنے شدید تھے کہ بعض اشتراکی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

پھر چونکہ اشتراکی انقلاب سوسائٹی کی ان تمام قدروں کو اکھڑنے والا تھا جن کی جڑیں مذہب اور اخلاق میں دوڑنک اتری ہوئی تھیں، نیز یہ انقلاب ظلم و تشدد کے بدترین طریقے اختیار کرنے کا متقاضی تھا، اس لئے اسے مذہب و اخلاق کے خلاف جنگ چھیڑنی پڑی اور سوسائٹی کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ مذہب و اخلاق کو "نان موجود" کی بھیڑٹ چڑھا دے۔ مذہب و اخلاق کی جڑیں جب اکھڑ دی گئیں تو انسانی سیرت و کردار کی پولیس بل گئیں اور اس کا شیرازہ بالکل بکھر گیا، اور کوئی چیز ایسی باقی نہ رہی جو انسانی فکر و عمل اور جذبات و خواہشات پر بریک کا کام دیتی۔ اس طرح رشوت، خیانت، حق ماری اور دراز دستی کا طوفان ابل پڑا۔ اور پھر اس طوفان کو روکنے کے لئے کوئی صورت اس کے سوانہ رہی کہ تشدد اور خوف کی ایک ملک گیر فضا قائم کی جائے۔ اس فضا کو قائم کرتے کے لئے انتہائی بربریت کے ہتھیار استعمال کئے گئے جو سوسائٹی کے نظام کا جال پھیل دیا گیا، ملک کو این، کے، وی، ڈی کے حوالے کیا گیا جس کی

ترکیب سوسائٹی کے انتہائی کمینہ خصالت انسانوں سے کی گئی، اور اس طرح قومی ملکیت کے پاڑے میں عوام کو بھیڑ بکریوں، گائے بیلوں اور گھوڑے گدھوں کا مقام دیا گیا۔ لیکن اتنا ہی نہیں کہ یہ قیمت یک مشت ادا کرنے کے بعد عوام کا حساب چکاتا ہو گیا ہو۔ بلکہ ابھی دو وقتہ روٹی اور برسے وقت کے مالی سہارے کی قیمت بالاقساط وصول کرنے کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یعنی کیونسٹ پارٹی جو عوام کے صرف پانچ فیصد حصے پر مشتمل ہے، ایک قاہرہ ڈکٹیٹر شپ میں ملک کو جکڑے ہوئے ہے۔ اس پارٹی کے اقتدار کے زیر سایہ حکومت کے انتخابات محض ایک ڈرامے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امیدواروں کی نامزدگی خود اس پارٹی کی مرضی سے ہوتی ہے۔ ایک نشست کے لئے ایک ہی امیدوار کھڑا ہوتا ہے۔ پھر عوام زیر حراست آ کر اس کو ۹۷ فیصدی اور ۹۹ فیصدی ووٹ دیتے ہیں اور وہ بلا مقابلہ کامیاب ہو کر نمائندگی عوام کا آخری مقام حاصل کرتا ہے۔

اس سوشلسٹ نظام کے تحت منصوبہ بندی کی کامیابی بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ چند افراد کا ایسا کئی اقتدار مسلط رہے کہ جس کی مرضی کے آگے لوگ بالکل جذبہ عبودیت کے ساتھ سر تسلیم خم کرتے رہیں اور کوئی دم مارنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اختلاف اس کے سامنے دم بخود رہے، تنقید اس کے روبرو ہریہ لب ہو اور آزادی اس کے حضور سینے پر ہاتھ باندھے کھڑی رہے۔ منصوبہ بند نظام تقاضا کرتا ہے کہ چند افراد اتنی قدرت رکھتے ہوں کہ وہ عوام کو ایک ریوڑ کی طرح اپنی مرضی کے مطابق بدھ چاہیں ہانگ سکیں۔ چنانچہ صرف سیارے کے میدان ہی میں نہیں، اور صرف صنعت و زراعت کے دائرے ہی میں نہیں، بلکہ تعلیم اور ادب اور صحافت اور موسیقی اور تھیٹر اور تفریحات اور انجمن سازی وغیرہ، سارے ہی شعبوں میں چند افراد کی ایک ٹولی کی کمانڈ چلتی ہے اور اس سخت گیرانہ کمانڈ کے سامنے کسی کے لئے مجالِ سر تابی نہیں ہے۔

لہ جیسا ڈرامہ ہمارے صوبہ سرحد میں ابھی ابھی ہوا ہے :

دنیا کی یہ بدترین غلامی ہے کہ جس میں اولادِ آدم کی ایک بڑی تعداد کو اپنے خیالات، اپنے جذبات، اپنے احساسات، اپنے ذوق، اپنے آرٹ، اپنے قلم، اپنی زبان اور اپنی ہر چیز کو دوسروں کے سامنے گروہی رکھنا پڑتا ہے۔ اس غلامی کے خلاف جس کسی نے کوئی جنبش کی ہے اس کے لئے پھر اشتراکی جنت میں زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ اسے غدار ٹھہرایا گیا ہے، اسے سہوکار کا مجسم گردانا گیا ہے، اسے پارٹی سے برطرف کیا گیا ہے، اسے سوسائٹی میں ذلیل کر دیا گیا ہے، اسے روٹی سے محروم چھوڑ دیا گیا ہے، اسے لیبر کیپ میں ایڑیاں رگڑنے کے لئے مجبور کیا گیا ہے، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ انقلابی سوشلزم کی تاریخ دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عوام بے چارے تو کیا، خود وہ بڑے بڑے اشتراکی لیڈر جن کے ہاتھوں یہ انقلاب برپا ہوا تھا، جو مارکسی تحریک کے اول درجے کے جان لڑانے والے سپاہی تھے، جو عوام کو تربیت دینے والے ذہین و فطین ادیب تھے، جو ایک مدت دراز تک اشتراکی حکومت کے قابل اعتماد عہدہ دار اور خود کیونٹ پارٹی کی پالیسی بنانے والے سربراہ کار رہے، وہ ایک بیک خدار اور دشمن انقلاب اور بیرونی حکومتوں کے ایجنٹ قرار دے دیے گئے، وہ ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتارے گئے اور ان میں سے بعض کے متعلق تو کسی کو یہ پتہ ہی نہیں چل سکا کہ ان کو زمین نکل گئی یا آسمان نے اچک لیا۔

چند افراد کا یہ فرمان اقتدار ہر لحظہ جو ابی رد عمل کے خطرے سے دوچار ہے، اس لئے یہ اپنے چاروں طرف غداروں کی بوسوں گھنٹا رہتا ہے اور اپنے بچاؤ کے لئے کٹری تداہیر اختیار کرتا ہے، اسی مقصد کے لئے پارٹی کو جلاب دیتے رہنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اسی مقصد کے لئے جاسوسی کا مستقل مجال پھیلا دیا گیا ہے، اسی کے لئے ملک کی ایک بڑی آبادی کو لیبر کیپوں میں بند رکھا جاتا ہے، اسی کے لئے ملک کو آہنی پردے میں گھیر کر بیرونی دنیا سے منقطع کیا گیا ہے۔

بزرگو! اور بھائیو! یہ ہے وہ قیمت جو انقلابی سوشلزم کے سامنے میں عوام کو "دو وقت

کی روٹی اور برے وقت میں مالی سہارا پانے کے لئے اوکرنی پڑ رہی ہے۔ اب یہ سوچنا آپ کا اپنا کام ہے کہ اتنے حاصل کے لئے اتنی قیمت دے کر کیا انسان یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اس نے وہ جنتِ امن و سکون پالی جس کے لئے وہ سوشلسٹ تحریک کی رہ نمائی میں تیس سال سے ایک جاں کاہ سفر کرتا چلا آ رہا ہے۔

پھر سوشلزم کی تحریک کی حیثیت کو مشخص کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ بین الاقوامی فتاویٰ میں بھی اسکی پالیسی کا مطالعہ کریں۔ بین الاقوامی حیثیت سے اس تحریک کے جو مظاہر ہمارے سامنے ہیں وہ اس بات کی قطعی شہادت ہیں کہ بڑے سرمایہ دارانہ امپیریلزم کے مقابلے میں ایک نوجوان سوشلسٹ امپیریلزم نئے ہتھکنڈوں کے ساتھ ارتقا کر رہا ہے۔ سفید امپیریلزم کے مقابلے میں اس سرخ امپیریلزم کی تکنیک جو امتیازی پہلو رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب سے پہلے پروپیگنڈا کے ذریعے دوسرے ملکوں میں اپنے ایجنٹ اور اپنے آلات فراہم کرتا ہے پھر جب وہ منظم ہو کر کسی ملک کے اندر سے زور کرتے ہیں تو طبقاتی جنگ کا طوفان جتنا جتنا داخلی نظم کو کمزور کرتا جاتا ہے باہر سے یہ امپیریلزم اتنا ہی زیادہ اثر انداز ہونا شروع کر دیتا ہے، یہاں تک کہ آخر کار جہاں کہیں کیونرسٹ انقلاب تکمیل پا جاتا ہے وہاں اس امپیریلزم کا براہ راست تسلط بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ اس تسلط کے بعد پھر کسی بد نصیب ملک میں حالات کا جو ارتقا ہوتا ہے وہ اس سے کئی گنا زیادہ بدتر ہوتا ہے جو کہ سفید امپیریلزم کے تحت ہوتا رہا ہے۔ سوشلزم کا شکار ہونے والے ملکوں میں سرخ امپیریلزم اپنے آدمیوں کو لاکھوں کے اقتدار پر بٹھاتا ہے، باہر سے پالیسی القا ہوتی ہے، مذہب کی جڑیں جبراً کھود دی جاتی ہیں، اختلاف کرنے والے عناصر قتل اور جلا وطن کر دیے جاتے ہیں، خام اجناس اور مصنوعات کی ٹوٹ مچاوی جاتی ہے، تعلیم کو امپیریلٹ مقاصد کے سانچے میں ڈھال دیا جاتا ہے، زبان، ادب، صحافت، لٹریچر اور رسم الخط تک کو من مانی شکل دی جاتی ہے، ڈرائیو، موسیقی، مصوری اور شاعری کو بالکل اپنا آلہ کار بنا لیا جاتا ہے، تاریخ کی تدوین جدید سفید جھوٹ کی بنیادوں پر کی جاتی ہے۔

اس طرح کی کارروائیوں کی سب سے زیادہ عبرت ناک مثالیں روسی ترکستان کے انقلاب میں مل سکتی ہیں اور اب چین اور جاپانی ترکستان میں بھی پیدا ہو چکی ہیں۔

امپریلیزم کی اس روح کا بڑا نمایاں مظاہرہ یو۔ این، او اور دوسری بین الاقوامی مجالس میں اشتراکی نمائندوں کے طرز عمل سے ہوتا ہے۔ یہ لوگ سفید امپریلیزم کے علمبرداروں کے بالمقابل کل دہی پوزیشن رکھتے ہیں جو دو کاروباری سرغیظوں یا دو شکاریوں کی آپس میں ہو سکتی ہے۔ جیسے ہتھکنڈے ایک طرف سے دیکھنے میں آتے ہیں بالکل ویسے ہی ہتھکنڈے دوسری طرف سے سامنے آتے ہیں۔ ایک طرف اگر جھوٹ، چال بازی، فریب کاری اور عیاری کے ہتھیار چمکتے دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف بھی بددیانتی، خود غرضی، جعل سازی اور فتنہ انگیزی ہی کے آلات کی نمائش ہے۔ حق پرستی اور خدایت انسانیت اور انصاف پسندی نہ اُدھر ہے، نہ اُدھر بدوں کا مقابلہ ہے تو اس میں ہے کہ کمزور ممالک میں سے کون کتنوں کو اپنے زیر اثر کر سکتا ہے اور کون کس جنگی ناکے پر قابض ہو سکتا ہے اور کون کس ملک کی پیداواروں سے فائدہ اٹھالے جاتا ہے اور کون کس قوم کو مالی امداد اور معاہدوں کے جال میں آگے بڑھ کر پھانس لیتا ہے، اور کون کس ملک کے نمائندوں کے دوٹ اپنے ساتھ لے لیتا ہے۔ یہ ساری کشمکش ایک ہی مادہ تہذیب کی جہنی ہوئی دو تحریکوں کی کشمکش ہے اور اس میں ایک ہی سے ہتھیار استعمال ہوتے ہیں جو دونوں کو ایک ہی اسلام خدانے سے ملے ہیں۔

غرض جو توقعات جمہوری نظام سے مایوس ہو کر انسانیت نے سوشلزم کی تحریک سے باندھی تھیں وہ اب تیس سالہ قریبانیوں اور محنتوں کے بعد چھڑ چھڑ ہوئی پڑی ہیں۔

### ۳۔ فاشلزم

دنیا نے انسانیت کو جب وہ امن و اطمینان کہ جس کے خواب وہ تہذیب الحاد کے سامنے میں دیکھ رہی تھی، نہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کی تحریک سے ملا، نہ سوشلزم کی تحریک سے، تو ایک تیسری تحریک اسی تہذیب کی بنیاد پر آہستہ آہستہ پردان پڑھی جسے آج ہم فاشلزم کے نام سے پہچانتے



ہیں۔ فاشنزم سرمایہ دارانہ جمہوریت اور سوشلزم کے مجموعی رد عمل کا نتیجہ ہے۔ دونوں کے مفاسد سے بچنے کے لئے یہ ایک تیسری راہ نکالی گئی، لیکن آگے چل کر اس نے ان سے زیادہ کڑوے کیلئے چل دیے۔

واضح رہے کہ فاشنزم ان مخصوص نظاموں کے کسی ڈھانچے کا نام نہیں جو ہٹلر نے جرمنی میں، یا مسولینی نے اٹلی میں قائم کئے گئے تھے۔ بلکہ فاشنزم کے کچھ جوہری اصول ہیں کہ وہ جس ملک اور جس ڈھانچے میں بھی برسر عمل ہوں اپنی ایک خاص نوعیت رکھتے ہیں۔ یہ اصول کسی نہ کسی حد تک اکثر جمہوری ممالک میں بھی عمل انداز ہوئے ہیں، لیکن جرمنی اور اٹلی کے علاوہ خاص طور پر ان کو جنوبی امریکہ، ترکی، یوگوسلاویہ، رومانیہ، بلغاریہ، ہنگری، پولینڈ، لٹویا، اسٹونیا، ہسپانیہ، آسٹریا، جاپان وغیرہ نے کسی نہ کسی درجے میں اپنے نظام اجتماعی کا ترکیبی عنصر بنایا ہے۔ جرمنی اور اٹلی میں ہٹلر اور مسولینی نے ان اصولوں کو منضبط کیا اور ان پر باقاعدہ مکمل نظام چلا کر دکھائے اور ان کو ایک مستقل تحریک کی حیثیت میں ڈھالا۔ اس وجہ سے فاشنزم کا نام آتے ہی جرمنی اور اٹلی کے نام ذہنوں میں ابھرتے ہیں۔

فاشنزم دراصل سرمایہ داری زیر تسلط ریاست "State Controlled Capitalism" کا دوسرا نام ہے۔ اسکی بہت متوازن تعریف یوں کی گئی ہے:-

"فاشنزم ایسی پالیسی کا نام ہے جو شخصی ملکیت کو باقی رکھتی ہے، مگر ایک مضبوط

اسٹیٹ کنٹرول کے تحت اس کو جکڑ دیتی ہے، لیبرل ڈیموکریٹک پارٹی گورنمنٹ کے

طریقہ کو رد کر کے ملک میں ایک کٹی اسٹیٹ Totalitarian State قائم

کرتی ہے جسے ایک گروہی حکومت Hierarchy چلاتی ہے، دینی

چند طاقت ور اشخاص کا ایک متحد و منظم گروہ، ملک میں اس ایک جماعت

کے سوا کسی سیاسی پارٹی کو از روئے قانون باقی نہیں رہتے دیا جاتا، اور طاقت اور منظم اقلیت اسلمہ، پروپیگنڈا اور جاسوسی کے بل پر اکثریت کو غلام بنا رکھتی ہے۔ تحریک فاشنزم اپنی داخلی روح کے اعتبار سے سرمایہ دارانہ نوعیت رکھتی ہے، لیکن اپنے خارجی سیاسی طرز عمل کے لحاظ سے اس میں وہ تمام مفاسد برسر عمل ہوتے ہیں جو سوشلسٹ تحریک کے تسلط یا جانے پر ایک جاہلانہ ڈکٹیٹر شپ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ سوشلزم اور فاشنزم میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کہ دونوں کے دونوں اقتصادی اور معاشرتی زندگی پر پوری طرح حکومت کا کنٹرول قائم کرتے ہیں، دونوں کے دونوں مختار مطلق قسم کے مرکزی اقتدار کے متقاضی ہیں اور پھر دونوں تنقید اور اختلاف کو کچھنے میں ایک ہی جیسے ہتھکنڈے اختیار کرتے ہیں اور دونوں ظلم و تشدد کے طور طریقوں میں بھی مماثل ہیں۔ دونوں کو جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ صرف ایک ہے۔ یعنی فاشنزم میٹلزم پر ایمان رکھتا ہے اور قومی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے طبقاتی تقسیم اور طبقاتی جنگ کے مظاہر کو بالبحر روکتا ہے۔ لیکن سوشلزم قومی وحدت کا دشمن ہے اور طبقاتی جنگ کا داعی۔ نیز فاشنزم انفرادی سرمایہ داری کو اپنے ٹھگنے میں کس لیتا ہے اور سوشلزم اسے مٹا دینے پر اصرار کرتا ہے۔

میں اپنی تقریر میں اس کا موقع نہیں دیکھتا کہ جرمنی اور اٹلی میں فاشنزم کے نشوونما کی تاریخ بیان کر سکوں، اس لئے مختصر طور پر ان اصولوں اور ان طور طریقوں کا تعارف کرانے پر اکتفا کرتا ہوں جن کو فاشنزم کی تحریک اپنے ساتھ لائی ہے۔ ان اصولوں اور طور طریقوں سے آپ کا واقف ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ بد قسمتی سے خود آپ کے ملک میں ان کو آزما یا جا رہا ہے اور خطرہ ہے کہ اگر بروقت آپ ان کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوئے تو پھر یہاں ایک دوسرا جرمنی، ایک دوسرا اٹلی اور ایک دوسرا جاپان وجود میں آسکتا ہے۔

فاشنزم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اقلیت اکثریت پر حکومت کرتی ہے۔ کچھ لوگ کسی وقتی ہنگامے سے قائدہ اٹھا کر جائز طریقے یا ناجائز طریقے سے ایک مرتبہ برسر اقتدار آجانے

کے بعد پورے ملک اور پوری قوم کے خلاف ایک سازش کر لیتے ہیں اور ایک گٹھ جوڑ بنا لیتے ہیں۔ پھر اس گٹھ جوڑ کو مضبوط کرنے کے لئے اپنے گرد ایک جعلی سیاسی تنظیم بھی فراہم کر لیتے ہیں۔ پھر جب وہ اس سازش میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ان چند آدمیوں کی ٹولی قانون اور حکومت کے اختیارات اور دوسرے ذرائع و وسائل سے پوری قوم کو بدھر چاہتی ہے ہانکتی پھرتی ہے۔ چنانچہ ہٹلر کا نظریہ کھلم کھلا یہ تھا کہ "حکومت ہمیشہ اقلیت کرتی ہے" اور یہ کہ "عوام کا بھلا اسی میں ہے کہ ان کی رہ نمائی چند بہترین چیدہ اشخاص کریں" اور یہ کہ اکثریت کی حکومت کے معنی یہ ہیں کہ بہت سے بے وقوف بزدل اور کم حوصلہ آدمی چند مضبوط، قابل، بہادر اور ممتاز لوگوں کو مغلوب کر کے رکھیں" اسی طرح اٹلی میں فاشسٹ نظریہ کی علمی تعبیر کرتے ہوئے کہا جاتا تھا کہ "جمہوریت ایک بے بادشاہ کی سلطنت ہے جو بہت سے بادشاہوں سے چٹی رہتی ہے، اور یہ بہت سے بادشاہ ایک بادشاہ کی بہ نسبت زیادہ سخت گیر، زیادہ جاہل اور زیادہ تباہ کار ثابت ہوتے ہیں"

اس کے ساتھ ساتھ فاشسزم کی تحریک حکمران طاقت کو پوری طرح غیر محدود اختیارات سے مستح کرنا چاہتی ہے اور ایک فاشی حکمران اپنے آپ کو لازماً قانون تو کیا دستور تک سے بالاتر رکھتا ہے اور دستور اور قانون کی دفعات کو اپنے مقاصد کے لئے کھلونا بنا لیتا ہے۔ مثلاً جرمنی میں ۳۱ مارچ ۱۹۳۳ء کے انتخابات میں ہٹلر نے دیکھا کہ اگرچہ نازی پارٹی کے ممبر کافی تعداد میں آگئے ہیں لیکن کیونسٹ بھی اتنے بہر حال موجود ہیں کہ وہ دستور میں ترمیم نہ ہونے دیں گے۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ریش کا اجلاس بلائے ہوئے کیونسٹ ارکان کو اطلاع ہی نہیں دی

Enabling Act

گئی اور انکی عدم موجودگی میں تفویض اختیارات کا قانون

پاس کر ڈالا جس نے ساری طاقت ہٹلر کے ہاتھوں میں منتقل کر دی۔ اس ایکٹ کی رو سے حکومت کو قانون سازی کے غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے۔ دستور کی کلی یا جزئی ترمیم یا منسوخی کے اختیارات سے بھی حکمران طاقت مستح ہو گئی۔ علاوہ بریں حکومت نے جمہوریت کے مشورے کے بغیر معاہدات اور اعلان جنگ کرنے کی مجاز پھیرائی گئی۔ چنانچہ ۲۸ مارچ کو دستور کی وہ دفعات جو

جرمن عوام کے بنیادی حقوق و فرائض سے متعلق تہمتیں، کا عدم قرار دے دی گئیں۔

ہٹلر کے بے پناہ اختیارات کا اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہو گا کہ ۳۰ جون ۱۹۳۴ء کو ایک بڑے گروپ پر بغاوت کے لئے خفیہ سازش کرنے کا الزام رکھ کر بلا مقدمہ چلائے ہٹلر نے بطور خود اس کے تمام افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کی تعداد ماہیتسٹر گارڈین نے ۲۸۲ اور نیویارک ٹائمز نے ۱۲۰۰ بتائی ہے۔ ان میں ہٹلر کے خاص شرم ٹروپ کا سردار اعلیٰ بھی تھا اور نازی پارٹی کے پرانے وفادار ممبر بھی تھے۔ لیکن ہٹلر نے رائس میں صاف صاف کہا کہ :-

”اگر کوئی پوچھے کہ ان لوگوں پر مقدمہ کیوں نہیں چلایا گیا تو میری طرف سے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ اس وقت میں جرمن قوم کی قسمت کا ذمہ دار تھا، اس لئے میں خود اپنے اندر سپریم لیگل اتھارٹی رکھتا تھا؟“

اس طریق سے جہاں کہیں بھی دستور اور قانون کھیل بن جائے، حکمراں طاقت کے مفاد کی سوئی کی حرکت کے ساتھ دستور اور قانون موم کی ناک بنا دھر سے اُدھر مڑتا رہے اور ایک ایک فرد کی ضرورت کے لئے قواعد بدل دیے جانے لگیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ فاشزم کے اصولوں نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔

فاشزم کا ایک امتیاز یہ ہے کہ حکومت اور سیاسی تنظیم کے اعلیٰ عہدے منظمی بھر آدمیوں کی اجارہ داری میں چلے جاتے ہیں۔ بلکہ ایک آدمی کئی کئی ذمہ داریوں کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے اور جب کوئی جگہ خالی ہوتی ہے تو انہیں چند اجارہ داروں میں سے کسی کو لاکے اس جگہ کو پُر کر لیا جاتا ہے۔ ایک ہی لوگ ہوتے ہیں جو حکومت کے عہدوں اور عوامی تنظیم کی قیادت پر ایک وقت قابض ہوتے ہیں۔

فاشزم کی سازشی سیاست بغیر اس کے چل نہیں سکتی کہ پروپیگنڈہ کے پورے وسائل خصوصاً ریڈیو اور پریس حکمراں طاقت کی اپنی اجارہ داری میں رہیں۔ پریس اور ریڈیو دونوں کے ذریعے ایک طرف یہ دکھایا جاتا ہے کہ اختلاف کرنے والی کوئی طاقت اول تو سرے سے موجود نہیں ہے

اور اگر کوئی ہے تو بڑی بڑی ابدویانت، اور بڑی بے اثر ہے، اور دوسری طرف ایک جعلی رائے عام کو نمایاں کر کے پیش کیا جاتا ہے کہ ملک کی ساری فضا ہمارے ہی حق میں ہے۔ واقعات کو، خبروں کو، تقاریر کو، اعداد و شمار کو اور دلائل کو بالکل اُس شکل میں ڈھال کر پیش کیا جاتا ہے جو حکمران طاقت کے مفاد کے مطابق ہو۔ حقیقی دنیا کے حالات چاہے کچھ ہوں مگر پروپیگنڈا کے اسکرین پر آپ کو وہی کچھ دکھایا جائے گا جو فاشی قیادت کے حسبِ منشا ہو۔

پھر فاشزم کا خاصہ ہے کہ وہ تنقید و اختلاف کو ہر طریقے سے — قانون بنا کر بھی اور لاقانونی سے بھی — دباتا ہے، اور پوری سختی سے دباتا ہے۔ ہٹلر جب تک برسرِ اقتدار آنے کی جدوجہد میں مصروف تھا تو اس وقت تک مخالفین کو دبانے کے لئے اس کے پاس واحد قوت Storm Troops کی تھی۔ پبلک اجتماعات کے موقع پر ہٹلر کے جانباز بڑھ چلتے تھے اور مخالفین کو مار گراتے تھے۔ یہاں تک کہ ۹ نومبر ۱۹۲۳ء کو اس نے چند سائینتوں کی مدد سے بویرین گورنمنٹ کے کسٹرن خان کاہر Kahr کو پکڑ کر پستول کی دھمکی سے نئی رائس گورنمنٹ کے اعلان پر مجبور کیا۔ پھر جب وہ برسرِ اقتدار آ گیا تو نازی جرمنی میں گورنمنٹ کو قانوناً یہ حق حاصل تھا کہ جسے بلا وارنٹ گرفتار کر لے اور جب تک چاہے بلا مقدمہ چلائے قید رکھے۔ چنانچہ ۱۹۳۳ء میں ایک لاکھ آدمی قید خانوں اور کنسنٹریشن کمپوں میں پڑے سڑ رہے تھے۔

مخالفین کو دبانے اور اپنے حامیوں کو آگے بڑھانے کے لئے ایک طرف تو یہ کیا جاتا ہے کہ زندگی کے روزمرہ کے مسائل اور ضروریات میں سرکاری مداخلت کا دامن وسیع کیا جاتا ہے، دوسری طرف بروئے قانون ظالمانہ اختیارات حاصل کئے جاتے ہیں اور تیسری طرف اپنی حرکات کو عدالت کی حدود اختیار سے بالاتر دکھا جاتا ہے۔ فاشزم میں پورا عدالتی نظام عہدہ دارانِ حکومت کے اشارہ ابرو پر کام کرتا ہے، حدیہ کہ خاص اور اہم مقدمات میں مجبوں کو اوپر سے نیچے اتار دیتے ہیں۔ قانون کی ترازو کے باٹ بالکل کانے استعمال کئے جاتے ہیں۔

فاشزم کے زیر سایہ انتخاب اس طرح ہوتے ہیں کہ ظاہراً جمہوریت کی ضروری شرائط پوری ہو جائیں، لیکن اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے ہنگامہ انتخاب ایک جعلی کارروائی ہوتا ہے۔ دراصل کچھ لوگ پہلے سے حکمران طاقت کے نامزد کردہ ہوتے ہیں، جن کے حق میں سرکاری اثر و رسوخ استعمال ہوتا ہے، جن کے مخالفین کو دبانے کے لئے قانون اور نظم و نسق کی قوتیں کام کرتی ہیں، جن کا پروپیگنڈہ حکومت کے اشاروں سے پیدا پریس کرتا ہے، اور جن کی کامیابی کے لئے ووٹر اس پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ لازماً انہی کو ووٹ دیں۔ دوسرے لفظوں میں عوام کے حق رائے دہی کی پوری پوری جیب تراشی ہوتی ہے۔

پھر فاشزم کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس تحریک کی نشوونما ہمیشہ مناسی تقریبوں اور جذباتی مظاہروں کی فنمائیں ہوتی ہے۔ حکمرانوں کی سازشی ٹولی عوام پر کسی عقلی نصب العین اور علمی دلائل کے زور سے اثر انداز ہونے کے بجائے اہتمام اس امر کا کرتی ہے کہ اس کے افراد کی عظمت قائم کرنے کے لئے جگہ جگہ ان کے استقبال ہوں، ان کے سامنے خوشامدانہ ایڈریس پڑھے جائیں، ان سے ہر ایک کم کا اور ہر بڑی صنعت اور بڑے کاروبار کا، ہر ہسپتال اور ادارے کا افتتاح کرایا جائے، ان کو پارٹیاں دی جائیں، ان کے گلے میں پھولوں کے مار ڈالے جائیں، پھر انکی اور ان کی بیگمات کی مختلف جلسوں اور پارٹیوں میں لی ہوئی تصاویر ہر روز اخبارات میں شائع ہوں، ان کے ناموں پر اوازوں اور سڑکوں اور مجلسوں اور باغوں کے نام رکھے جائیں، ان کی تقریروں کے منتخب جملوں کو "کلمہ طیبہ" بنایا جائے اور ان کے فرمودات فریوں میں لکھ کر آویزاں کئے جائیں اور وقتاً فوقتاً اخبارات اور تقاریر میں دہرائے جاتے رہیں اور ان کا اثر بٹھانے کے لئے کرائے کے ادیب اور صحافی اپنا پورا زور قلم صرف کر کے ان کے شاندار عقائد کے تیار کریں۔ اس طرح ملک کے عوام کے ذہن میں زبردستی فاشی حکمرانوں کی عظمت اتاری جاتی ہے اور ان کو محسوس کرایا جاتا ہے کہ تمہارے ملک میں یہی چند گئے چنے افراد ہیں جن پر تمہاری نگاہیں جمی چاہئیں۔ چنانچہ نازی لیڈروں، خصوصاً ہٹلر کی تصاویر تمام سرکاری

عماروں اور اجتماعی اداروں اور پبلک مقامات پر جبراً آویزاں کرائی گئی تھیں اور عام نازی اپنے کوٹوں اور اپنی ٹریوں پر اور اپنے بیٹوں میں اس کو سمجھاتے تھے اور تعویذ کی طرح اس سے عقیدت رکھتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ فاشی حکم ان عوام کے جذبات کو غذا دینے کے لئے بار بار قسم قسم کی تعاریب مناتے ہیں، اور ہر تقریب پر مظاہرات، فوجی نمائشوں، سلامیوں اور پریڈوں کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ مثلاً مسولینی مظاہرے کے فن کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے فاشستی انقلاب کی نمائش، روم پر چڑھائی کی سالانہ یادگار، اور پیانو سے Piave پر اٹلی کی فتح کی سالانہ یادگار کی تقریب کے ذریعے عوام کو برابر اگسایا ہے۔ یہی نہیں وہ کرسس کے موقع پر انعامات تقسیم کرنے، بلکہ مزدوروں کو بڑھاپے کی پنشن دینے کے لئے بھی بڑی ٹھاٹھ کی تعاریب کا اہتمام کرتا کرتا تھا۔ یونیفارموں، جھنڈوں، نعروں، گیتوں اور جلو سوں کے مظاہروں کا نشہ پلا کر اس نے عوام کے جذبات کو جس طرح برسوں سحر رکھا ہے وہ ہر فاشیت پسند طاقت کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔

فاشزم کی تحریک اجتماعی تنظیم کے لئے جو روح فراہم کرتی ہے وہ قومی اور نسلی فوقیت کا جذبہ ہے۔ جرمنی، اٹلی، جاپان اور دوسرے تمام فاشیت زدہ ممالک میں فاشزم کی یہ مکرہ ترین اور تشدد ترین صورت ہی وہ طاقت تھی کہ جس نے عوام میں جذبات پیدا کئے اور ان کو کام کرنے کی ایک اجتماعی اسپرٹ دی۔ فاشزم کی یہ مکرہ ترین اسپرٹ اگر کسی درجے میں موجود نہ ہو تو فاشزم کو ایک اجتماعی تحریک کی حیثیت سے پروان چڑھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ فاشزم کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایک قوم میں نسلی یا قومی تفوق کا جذبہ ابھارا جائے اور پھر قومی و نسلی عظمت کے نام پر جو ہم شروع کی جائے اس میں قومی وحدت کو ہر دوسری چیز سے اہم سمجھا جائے۔ فاشزم کسی نصب العین، کسی اصول اور کسی آئیڈیا لوجی کی بنا پر اجتماعی نظم بندی کو گوارا نہیں کرتا بلکہ ایسی نظم بندی کو وہ اپنے وجود کے لئے خطرناک سمجھتا ہے۔ وہ ہر اصولی وحدت،

ہر آئیڈیالوجی اور ہر اجتماعی نصب العین کے مقابلے میں قومی وحدت کے جذباتی احساس کو لا رکھتا ہے۔ فاشزم کسی پاکیزہ سے پاکیزہ اصلاحی تحریک اور کسی اچھے سے اچھے اخلاقی نصب العین کو اس بنا پر کھیل دینا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس سے قومی وحدت کو اور قومی عظمت کے مقصد کو نقصان پہنچتا ہے۔ فاشزم کی نگاہ میں ایسی چیزیں انتشار اور تخریب پسندی قرار پاتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ مذہب اور خدا کا بھی کوئی ایسا تصور برداشت نہیں کر سکتا جو اس کے قومی و نسلی تفوق کے جذبات کو مجروح کرنے والا ہو۔ نازیوں نے خدا کو مانا تو اس طرح مانا کہ:-

«خدا اس قوت و حیات کا نام ہے جو جرمن نسل کے اندر حلول کئے ہوئے ہے»

اور ان میں سے جن لوگوں میں مسیح علیہ السلام سے کوئی عقیدت باقی تھی وہ اس نظریے کے ساتھ تھی کہ مسیح نارڈک اصل کے تھے۔ خود نصرانیت پر نازیوں کو یہ اعتراض تھا کہ اس میں تمام افسانوں کی برابری کا عقیدہ ہے جو جرمن نسل کی فوقیت کے خلاف ہے۔

ہر معاملے میں قوم کا نام لینا، قوم کا واسطہ دلانا، قومی مفاد پر اپیل کرنا، قومی اسپرٹ کو ابھار کر عوام میں حرکت پیدا کرنا اور قومی وحدت کے تحفظ کو ہر مقصد سے برتر سمجھنا، یہ طبعی تقاضا ہے ایک فاشی نظام کا! اور پھر اسی قومی وحدت اور قومی مفاد کو ہر اپوزیشن، ہر اختلاف اور ہر تنقید کے کچلنے کے لئے آلہ کار بنایا جاتا ہے۔

ان سارے اصولوں اور طور طریقوں کے ساتھ ایک اور چیز جو فاشی تحریک کے مزاج میں شامل ہے وہ ذوق تشدد اور ذوق جنگ ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی فاشی نظام پایا گیا ہے اس میں داخلی طور پر اختلاف کرنے والوں کے لئے تشدد کا جذبہ اور بیرونی قوموں کے لئے نفرت اور جنگ کا جذبہ ضرور برسر عمل رہا ہے۔

اس تحریک کا حاصل | اس تحریک پر مختلف قوموں نے اپنے آپ کو بھینٹ چڑھا کر اس سے جو کچھ پایا ہے وہ صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ جہاں بھی یہ تحریک پروان چڑھی ہے وہاں داخلی حیثیت سے اس نے فرد کو حکمرانوں کے سامنے بالکل بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔ دوسرے یہ



کہ بین الاقوامی حیثیت سے اس نے بھڑکتے ہوئے جنگی جذبات پیدا کئے۔ اس تحریک کے ہر تجربے کے نتائج ہی تھے اور جمہوریت اور سوشلزم کے مقابلے میں اس کے یہ نتائج بہت جلد دنیا کے سامنے آئے ہیں۔ اس نے اپنا پھل دینے میں کچھ بھی دیر نہیں کی۔ اور یہ تحریک سرمایہ دارانہ جمہوریت کے علمبرداروں کی ہمدردیاں حاصل کر سکی، نہ سوشلزم کے علمبرداروں کو حامی بنا سکی بلکہ دونوں کی مخالفت کی چکی کے پاٹوں میں پس کر رہ گئی۔

اب فاشی نظام اپنی مکمل شکل میں دنیا کے کسی گوشے میں بھی کار فرما نہیں رہا، لیکن اس کے اصول اور طور طریقے خاص طور پر اشتراکی سلطنت میں اور اس کے علاوہ بہت سے پیمانہ ممالک میں زور شور سے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ مگر کوئی بھی عقلی طور پر ان اصولوں اور طور طریقوں کی حمایت و دکانت پر تیار نہیں ہے اور جہاں کہیں یہ طریقے استعمال کئے جاتے ہیں وہاں رائے عام ان کے خلاف زور کرتی ہے۔

**مجموعی تبصرہ** | تہذیب الحاد نے اپنے آپ کو جن بڑی بڑی اجتماعی تحریکوں میں ڈھال کر پیش کیا ہے ان سب کے اصولوں سے اور ان کے مجموعی حاصل سے تعارف کرانے کے بعد اب میں چند الفاظ میں ان سب پر ایک تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔

ان تحریکوں کے متعلق یہ کہنا انصاف اور دیانت کے بالکل خلاف ہو گا کہ ان میں حق اور غیر اور افادیت کا سکر سے کوئی پہلو ہی موجود نہیں ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ دنیا میں خالص باطل اور شر اور مفسرت کو کوئی ایک تنفس بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ ان تحریکوں میں بالیقین کچھ پہلو حق اور خیر اور افادیت کے موجود ہیں اور ہر ایک تحریک میں ایک جوہر ایسا ہے کہ جس کی کشش سے لوگ اس کی طرف لپکتے ہیں۔ لیکن اس جوہر حق و افادیت کی جو قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور ان کے ساتھ شر اور باطل کی جتنی مقدار انسانیت کو قبول کرنی پڑتی ہے اس کی وجہ سے آخر کار لوگ پیچھ اٹھتے ہیں۔ چنانچہ وہ جمہوریت، سوشلزم اور فاشیزم میں سے ہر ایک کا تجربہ کر کے دیکھ چکے ہیں کہ ہر تحریک حق اور افادیت کے ساتھ باطل اور شر

کے اتنے وسیع پہلو رکھتی ہے کہ سودا منگنا پڑتا ہے۔

اس مختصر سے تبصرے کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا انسانیت کی معراج بس یہی ہے جہاں اس تہذیب الحاد نے لا کر ہم کو کھڑا کر دیا ہے؟ اور کیا واقعی ہم بس اس بات پر مجبور ہیں اسی تہذیب کی پیش کردہ تین تحریکوں میں سے کسی ایک کو انتخاب کر کے لانا اس کا دامن تھام لیں؟ اور کوئی نیا راستہ ہمارے لئے باقی نہیں ہے کہ ہم ان راستوں سے منہ موڑ کر اُس طرف چل کھڑے ہوں؟ کیا ہم بالکل بے بس کر دیئے گئے ہیں کہ جمہوریت، سوشلزم، اور فاشنزم کی تین دکانوں میں سے کسی ایک کا سودا ضرور خریدیں اور اس سودے میں جو بھی نفع نقصان پیش آتا ہو اسے چھپ چھاپ برداشت کر لیں؟

بہت سے لوگ اس سوال کا بھی جواب اپنے پاس رکھتے ہیں!

لیکن ہم اس سوال کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔ ہم اس تہذیب کے پیدا کردہ حالات کو انہیئت کی معراج نہیں سمجھتے۔ ہم اس کی پیش کردہ تحریکوں کو حرفِ آخر نہیں مانتے۔ ہم اپنے آپ کو اس پر مجبور نہیں پاتے کہ بے چون و چرا ان میں سے کسی ایک کو انتخاب کر لیں۔ ہم تہذیب الحاد کی کسی ایک تحریک کو اختیار کرنے اور کسی دوسری تحریک کو رد کرنے کے بجائے اس پورے دورِ تہذیب کو رد کرتے ہیں۔ ہم ان تحریکوں کو ایک ہی خاندان قرار دیتے ہیں۔ اور ایسا خاندان کہ جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ "ایں خانہ تمام آفتاب است!"۔ ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اپنی ارتقا کی آخری منزل پر آچکا ہے اور تاریخ اس منزل پر آکھڑی ہوئی ہے جس سے آگے کوئی منزل نہیں۔ اور ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو الحاد کی کسی ایک تحریک کا جھنڈا اٹھا کر اس کی کسی دوسری تحریک کے خلاف لڑ کر سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی بڑا جہاد لڑ رہے ہیں۔ ہم ان کے برخلاف یہ سمجھتے کہ تہذیب الحاد انسان کو بدترین پستی کے مقام پر لے آئی ہے اور ہمارا منصب یہ ہے کہ ہم اس پوری تہذیب، اس کی ساری اولاد اور اس کی ساری تحریکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کریں۔ ہم اس پورے مجموعہ تہذیب کو رد

کر کے اس کے خلاف نئے اصولوں پر ایک نئی تہذیب اور اس دور کے خلاف ایک نئے دور کا جھنڈا اٹھا رہے ہیں۔

آج یہ تہذیب الحاد اپنے سارے پتے ڈال چکی ہے اور اپنے سارے ترے پل چکی ہے اور اس کی کوکھ سے کسی نئی تحریک کے دو نما ہونے کے دور دور تک کوئی آثار نہیں ہیں۔ کوئی نئی تنظیم تو کجا، اور کوئی نئی فلسفیانہ فکر تو کجا، ادب اور آرٹ کے میدان میں بھی کسی اور تحریک کی تخم ریزی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس مرضی کو جتنے انڈے دینے تھے وہ ان کو دے کر پوری طرح کرک ہو چکی ہے۔ اب انسان اس جگہ آکھڑا ہوا ہے جہاں سے آگے چلنے سے پہلے اسے حسرت و پشیمانی کے ساتھ اپنے اس سارے سفر تہذیب پر ایک نگاہ بازگشت ڈال کر رکھنا ہے کہ اس نے کھویا کیا اور پایا کیا! یہ ٹھیک وہ لمحہ ہے کہ جو ایک نئے اور پاکیزہ اسلامی دور تہذیب کی تاسیس کا لمحہ ہے۔

ہم اس لمحہ پر کھڑے ہو کر آج تہذیب الحاد کے مقابلے میں تحریک اسلامی کو لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ حقیر سی ابتدا اپنے سامنے ایک شاندار انتہا رکھتی ہے۔

### تحریک اسلامی

تہذیب الحاد اور اس کی پیش کردہ تحریکوں کے مقابلے میں تحریک اسلامی کا تعارف کرانے کے لئے میں چند اہم حقیقتوں کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔

اولاً یہ کہ یہ تحریک ایک اصولی تحریک ہے۔ یہ نہ تو محدود معنوں میں کوئی مذہبی فسرتہ

لہ "نئے" سے مراد یہ نہیں کہ اسلامی دور تہذیب اس سے پہلے کبھی نمودار نہیں ہوا، وہ یقیناً

تاریخ میں بار بار ظہور کر چکا ہے، لیکن وہ جہاں اٹنا پڑا ہے کہ جتنا انسان، وہاں وہ اپنے ہر

ظہور پر اتنا ہی نیا بھی ہوتا ہے جتنا کہ کوئی اجنبی چیز ہوتی ہے۔ اس لئے اسے "نیا" اضافی

حیثیت سے کہا جا رہا ہے۔

ہے اور نہ کوئی ایسی سیاسی جہت بندی ہے کہ جس کا مقصد کچھ افراد کو گرا کر کچھ افراد کو اوپر لانا ہو۔ بخلاف اس کے یہ ایک نظریہ حیات، ایک نصب العین اور اپنے چند اصول رکھتی ہے جن کو یہ پرائیویٹ اور پبلک، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے ہی پہلوؤں میں غالب کرنا چاہتی ہے۔ اس تحریک کے پیش نظر کوئی جزوی اصلاحات و ترمیمات نہیں ہیں بلکہ یہ اخلاق کو بھی، سیاست کو بھی، معاشی اور معاشرتی تنظیم کو بھی، تعلیم اور ادب کو بھی، قانون اور نظم و نسق کو بھی ایک نئے سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہے۔ اس کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ یہ ایک کھلے اسٹیٹ میں ڈھل کر انسانیت کی سلام و فلاح کا بار سنبھالے۔

ثانیاً یہ کہ اس تحریک کی نگاہ میں دنیا کے ہر لنگڑ کا حقیقی سبب خدا کا انکار اور اس کی ہدایت سے افراد اور قوموں کی بے نیازی ہے۔ اس وجہ سے یہ تحریک انسانی فلاح کے لئے بنیادی اصول یہ اختیار کرتی ہے کہ یہ دنیا جس خدا کی بنائی ہوئی ہے اور جس کے چلنے چل رہی ہے اور جو اس پر قابضانہ تسلط رکھتا ہے اور جس کے قوانین کی بندش میں اس کے تمام اجزا جکڑے ہوئے ہیں، وہ انسان کا بھی حاکم و اللہ ہے اور انسان اس کے سامنے بندہ و نائب کی حیثیت کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انسانی زندگی کی درستی کا سارا دار و مدار اس بات پر ہے کہ وہ بے چون و چرا خدا کی ہدایت اور خدا کے قانون کو تسلیم کرے جسے انبیاء رسل کے ذریعے اس نے نازل کیا ہے۔ خدا کی مرضی اور خدا کا قانون ہی وہ سرچشمہ ہدایت ہے کہ جس سے زندگی کے ہر شعبے کے لئے صحیح اصول اور اخلاق کی مستقل قدیں حاصل ہوتی ہیں۔ نیز یہ کہ انسان اپنی زندگی کے ہر قدم پر اس خدا کے سامنے آخرت کی عدالت میں پیشی اور اپنے اعمال کی جواب دہی کا احساس کرے۔

ثالثاً یہ کہ یہ تحریک انسان کو ہر انسانی اقتدار سے نجات دلانے والی تحریک ہے۔ یہ ہر اس فلسفے، نظریے، اصول، قانون، قاعدے، روایت، حکومت، اقتدار اور برتری کے بندھن کو توڑ دینا چاہتی ہے جو خدا کے قانون کے تابع نہ ہو یا جو اس کے خلاف لڑتا ہو۔

رہا یہ کہ یہ تحریک قوم پرستی، نسل پرستی، وطن پرستی اور طبقاتی تعصبات سے بالاتر ہے۔ اس کے سامنے کسی ایک ملک یا قوم یا نسل یا طبقے کی صلاح و فلاح کا مسئلہ نہیں، بلکہ پوری انسانیت کی صلاح و فلاح کا مسئلہ ہے۔ اس کے پاس جو اصول حق اور اصول انصاف ہیں وہ جیسے ایک ملک و قوم کے لئے ہیں ویسے ہی دوسرے ملک و قوم کے لئے بھی ہیں، اس کا پیغام جیسے ایک طبقے کے لئے ہے ویسے ہی دوسرے طبقات کے لئے بھی ہے، وہ جو تبدیلیاں ایک جغرافیہ حد کے اس پار چاہتی ہے وہی تبدیلیاں اس سرحد کے اس پار بھی چاہتی ہے۔ اس تحریک کا دامن انسانیت کے کسی ایک گروہ سے بندھا ہوا نہیں ہے بلکہ جو آگے بڑھے اسے قبول کر لے اور جو اسکی سر بلندی کے لئے جدوجہد کرنے پر تیار ہو یہ تحریک اس کی اپنی تحریک ہے۔ اس کے دروازے ہر انسان کے لئے یکساں کھلے ہوئے ہیں۔

غاسا یہ کہ یہ تحریک ہر شعبہ زندگی بلکہ پورے نظام تہذیب کو ان مستقل اخلاقی قدروں پر قائم کرنا چاہتی ہے جن کی بنیادیں خود انسانی فطرت میں موجود ہیں اور جن کو تفصیل کے ساتھ خدا کے انبیاء نے نکھار کر پیش کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تحریک اصلاح کو باہر سے باہر سے انسان کے اوپر لانے کے بجائے اصلاح کو اس کے اندر سے ابھارنا چاہتی ہے۔ یہ نیا نظام اور نیا قانون ہی نہیں سامنے لاتی بلکہ تہذیب الحاد کے بنائے ہوئے انسان کے بالمقابل ایک نئے نمونے کا پاکیزہ سیرت انسان بھی برپا کرتی ہے۔ یہ انسانیت کے موجودہ خود غرض مغز مغز پرست، جہل پسند اور عیار نمونے کے مقابلے میں اصول پسند، حق پرست، بااخلاق، تعاون کیش، انصاف پسند، دیانت دار اور ایشیا پیشہ اوصاف کا نمونہ انسان پیش کرتی ہے۔ اس تحریک کی نگاہ میں انسانی ذہن و سیرت کو صحیح بنیادوں پر استوار کرنے بغیر محض نظام زندگی کی کچھ خارجی تبدیلیاں بنی آدم کو وہ جنتِ امن بہم نہیں پہنچا سکتیں جس کے لئے وہ صدیوں سے مارا مار قطع مسافت کر رہا ہے اور منزل ہے کہ دور تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ یہ تحریک اس کی قائل ہے کہ ایک نظام خیر و صلاح کو چلانے کے لئے پاک سیرت کا رکن و درکار ہیں اور ہر اصلاح

کے لئے پاکیزہ طاقتوں کی ضرورت ہے۔

سادسایہ کہ یہ تحریک اصلاح کے لئے اپنی ساری مہم صالح اصولوں پر چلانا چاہتی ہے اور اپنی انقلابی حرکت کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے اپنے اخلاقی اصولوں سے ہٹے ہوئے طریقوں کو کسی درجے میں بھی استعمال کرنے پر تیار نہیں ہے۔ تہذیبِ السجاد کی تحریکوں کے طریق کار کے بخلاف اس کا طریق کار بھی اتنا ہی پاکیزہ ہے جتنا کہ اس کا نصب العین۔ یہ جھوٹے پروپیگنڈے، جھوٹے اور سازشوں، خفیہ تدبیروں، اور فریب کارانہ ہتھکنڈوں سے اپنی انقلابی ٹکنیک کو بالکل پاک رکھنا چاہتی ہے۔ اس کی ٹکنیک لیکسز دوسری ہے۔

جمہوریت کی ایک نئی قسم | یہ تحریک ریاست کی تشکیل اور سیاسی نظام کی تعمیر کے لئے ایک بالکل جداگانہ قسم کا نقشہ اپنے سامنے رکھتی ہے۔ ان کی نگاہ میں حاکمیت کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نہ صرف تکوینی حاکمیت بلا شرکتِ غیرے اس کی ہے بلکہ تشریحی حاکمیت بھی بلا شرکتِ غیرے اسی کی ہے۔ وہ صرف ایک طبعی اقتدار (Physical Authority) ہی کا مالک

نہیں، بلکہ وہی سیاسی اقتدار (Political Authority) اور آئینی اقتدار (Legal Authority) کا بھی مالک ہے۔

تحریکِ اسلامی خدا کے مقابلے میں افراد، پارلیمنٹوں، قوموں اور جمہور سب سے حاکمیت سلب کر لینا چاہتی ہے۔ وہ کسی کے لئے بھی خدا کی اطاعت اور اس کے قانون کی پابندی سے آزاد ہو کر قانون بنانے اور حکم چلانے اور اختیارات استعمال کرنے کا حق باقی نہیں رہنے دینا چاہتی۔ وہ اصل حکمران اور آخری اتھارٹی خدا کو سمجھتی ہے، اور سیاسی تنظیم کی فلاح اس کے نزدیک اس میں ہے کہ حکمران طاقت اور عوام دونوں کے حقوق و فرائض خدا کے قانون کی لیکر سے تقسیم ہوں اور دونوں کے دونوں یکساں حدود اللہ کے پابند اور خدا کی رضا کے تابع ہوں۔

اسلامی تحریک ایک ایسا اسٹیٹ چاہتی ہے جو جمہور کی خواہشات اور نظم و نسق چلانے والوں کی مفاد پرستیوں کا کھلونا نہ ہو اور جو اپنے آپ کو ہر بندش سے آزاد سمجھ کر اپنی داخلی اور

خارجی پالیسی نہ بنائے بلکہ جس میں جمہور اور ان کے سربراہ کار و دولوں، خداوند تعالیٰ کے بالاتر اقتدار کے تابع بن کر کام کریں۔ اس مقصد کے لئے وہ "حاکمیت جمہور" Popular Sovereignty کے بجائے "خلافت جمہور" کا نظریہ سامنے لاتی ہے۔ یعنی اسلامی ریاست کو جو سوسائٹی چلانے کا ہر وہ اپنے آپ کو مجموعی حیثیت سے خدا کا نائب سمجھے اور اس کا ہر فرد خدا کی بندگی و خلافت کے مقام پر رہ کر اپنا حصہ ادا کرے۔ خلافت جمہور کے نظریے کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی تحریک کی مطلوبہ "الٹی ریاست" کا اجتماعی نظام رائے عام کی پشت پناہی سے چلے۔ عام لوگوں کی اکثریت ہی اس کے چلانے کے لئے بہترین قابلیت و اخلاق کے کارپروازوں کو منتخب کرے، عام لوگ ان کی نگرانی اور ان کا محاسبہ کرنے والے ہوں، عام لوگوں ہی کی رائے سے اس کا ارتقا ہو اور عام لوگوں ہی کے مطالبے پر اس میں تبدیلیاں واقع ہوں۔

اسلامی تحریک کا مطلوبہ اسٹیٹ اپنے قوانین اور اپنی پالیسی کی بنیاد خدا کی کتاب اور اس کے رسولوں کی سنت پر رکھے گا۔ اس کے ہاں جو چیز پیش کی جائے گی وہ اس دلیل سے پیش کی جائے گی کہ خدا کی شریعت نے اس کا مطالبہ کیا ہے یا وہ اس کی گنجائش دیتی ہے، اور اس میں جس چیز کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی اس دلیل سے اٹھائی جائے گی کہ خدا کی شریعت نے اس سے روکا ہے یا وہ اس کی گنجائش نہیں دیتی ہے۔

پھر اسلامی اسٹیٹ اور اس کی سیاسی تنظیم کے سامنے عوام کے مادی مفاد کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس سے کچھ بڑھ چڑھ کر اخلاقی مفاد کی اہمیت ہوگی۔ وہ مادی مفاد کو اخلاقی مفاد کے تابع رکھے گی۔ جہاں وہ یہ محسوس کرے گی کہ کسی بڑے سے بڑے مادی مفاد کے حصول کے لئے سوسائٹی کے اخلاقی مفاد کو بھینٹ چڑھانا پڑتا ہے تو اس صورت میں وہ مادی مفاد کو ٹھکرا دینے میں بھی تامل نہ کرے گی۔ تحریک اسلامی کی نگاہ میں انسانیت کی قوت کا اصل منبع اس کا اخلاق ہے اور اگر اخلاقی قوت و صحت بحال رہے تو مادی مفاد اور مادی قوت خود بخود حاصل ہوتی ہے۔ ایک اسلامی ریاست کا مرکزی فریضہ اعلیٰ اخلاقی قدروں کی ترویج

ہے اور اخلاقی مفاسد کی بیخ کنی!

اسلامی تحریک جس اسٹیٹ کو وجود میں لانا چاہتی ہے وہ لاجزبی شورائی نظام Non Party Parliamentary System کا متقاضی ہے۔ یہ اسٹیٹ اصولی اسٹیٹ ہونے کی وجہ سے صرف اُن لوگوں کے ذریعے سے چل سکتا ہے جو اس کے اصولوں پر سچتہ ایمان رکھتے ہوئے اس کے مقاصد کے لئے مخلصانہ جذبہ ایثار و تعاون کے ساتھ کام کریں۔ لہذا وہ اس امر کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا کہ اس کے چلانے والے شخصی اور طبقاتی مفاد کی بنیادوں پر جھٹکا بنایا جائے اور کثیر الاحزاب نظام Multi Party System کے طریق پر جوڑ توڑ اور کشمکش کے مفاسد سے ساری سوسائٹی کو گندہ کر کے رکھ دیں۔ اس ریاست کے لاجزبی نظام شورائی میں فرد فرد اپنے آپ کو خدا کی رضا کا تابع رکھتے ہوئے اظہار رائے کرے گا اور اپنا ووٹ استعمال کرے گا۔ آج ایک مسئلے میں وہ کسی کا حامی تھا اور کل دوسرے مسئلے میں اس کی رائے کسی اور کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

پھر اسلامی نظام ریاست ایک غیر قومی اور غیر نسلی نوعیت رکھتا ہے۔ اس کے دروازے ہر اس شخص کے لئے کھلے ہیں جو اس کے اصول و مقاصد پر ایمان لائے۔ ہر ملک، ہر قوم، ہر نسل اور ہر طبقے کا آدمی اس کے چلانے میں حصہ دار بننے کا حق رکھتا ہے۔ یہ ریاست اس لحاظ سے بھی قطعاً غیر قومی اور غیر نسلی ہے کہ یہ اپنے اصولوں کی افادیت اور اپنی برکات کو کسی خاص گروہ انسانی کا اجارہ بنا کر رکھنا نہیں چاہتی بلکہ یہ بات عین اس کے وجود میں شامل ہے کہ یہ ہمہ تن

لے واضح رہے کہ ایک جماعتی نظام Single Party System اور لاجزبی نظام کی اصطلاحات کا مفہوم بالکل پیدا جدا ہے۔ ایک جماعتی نظام وہ ہوتا ہے جس میں ایک گروہ دوسرے گروہوں کو دبا کر اپنا راج چلاتا ہے۔ لیکن لاجزبی نظام میں اس طرح کی جھٹکا بندی ہی سرے سے قابل برداشت نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موجودہ ریاستوں کو اسلامی لاجزبی نظام تک پہنچانے کے لئے پارٹی سسٹم کے ایک عجزی دور سے گذرے بغیر چارہ نہیں ہے۔



ساری دنیا کے سامنے اپنے اصولوں کی داعی اور ایک پیغام اصلاح کی علمبردار ہو۔

ایک نئی معاشی تنظیم | ایک نئی سیاسی تنظیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تحریک جس نئی معاشی تنظیم کو برپا کرنا چاہتی ہے وہ ایسی متوازن اسکیم پر مبنی ہے کہ اس میں دوسری تحریکوں کے پیش کردہ مفید پہلوؤں میں سے تو کوئی بھی ساقط نہیں ہوتا، لیکن ان کے خطرناک مفاسد سے وہ بالکل پاک ہے۔ وہ افراد کو پردے پردے حقوق ملکیت دیتی ہے اور ان کی حفاظت کرنا چاہتی ہے، لیکن یہ حقوق ملکیت وہ اس طرح نہیں دیتی کہ فرد کو بالکل بے لگام چھوڑ دے، بلکہ حقوق ملکیت کے اوپر وہ اپنی مخصوص اخلاقی پابندیاں عاید کرنا چاہتی ہے۔ وہ دولت پیدا کرنے کی، اس کو استعمال کرنے کی، کوئی پیشہ انتخاب کرنے کی، روپیہ لگانے کی، نفع کمانے کی آزادی ضرور دیتی ہے مگر ایسی اندھی آزادی دینے پر تیار نہیں ہے جو سوسائٹی اور انسانیت کے مجموعی مفاد کے لئے ہلک ہو۔ وہ اس آزادی کو اخلاقی حدود سے محدود کرتی ہے۔ وہ کمانے اور خرچ کرنے کے طور طریقوں میں سے چن چن کر ان تمام چیزوں کو حرام ٹھیراتی ہے جن سے معاشرہ میں مختلف اخلاقی مفاسد ابھرتے ہیں، دوسروں کی حق تلفیاں ہوتی ہیں اور سوسائٹی کا مجموعی مفاد تباہ ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ کھلی مسابقت کا بھی موقع دیتی ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ مسابقت مساویانہ ہو اور معاشی دوڑ میں قوی کی چیرہ دیتوں سے کمزور کو بچانے کا انتظام برسر عمل رہے۔ وہ ایسی اجارہ داریوں کو قائم نہیں رہنے دیتا چاہتی جو آزاد مسابقت کو مساویانہ مسابقت نہیں رہنے دیتیں۔ پھر وہ اس مسابقت میں افراد کو اس حال میں مبتلا نہیں کر دینا چاہتی کہ بالکل نفسی نفسی کی کیفیت پیدا ہو جائے اور ہر شخص آپ اپنا ذمہ وار ہو کہ اگر وہ اس دوڑ میں گر پڑے تو اس کے سہارا دینے کا کوئی انتظام نہ ہو۔ اسلامی نظام معیشت کا ایک بنیادی لازمہ یہ ہے کہ اس میں ایک طرف افراد کی اخلاقی اٹھان ایسی ہو کہ وہ اپنے گرنے والے ساتھیوں کو بڑھ کے سہارا دیں، اور دوسری طرف ایک مرکزی ادارہ خاص اس مقصد کے لئے کام کرے کہ وہ ہر گرنے والے کو سنبھالے اور اس کو ضروری مدد دے کہ از سر نو معاشی دوڑ میں حصہ لینے

کے قابل بنانے۔ اجتماعی انٹرنیشنل کا یہ ایک ایسا مفید سسٹم ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے نہ انفرادی آٹھویں پر آئینہ آتی ہے اور نہ سرمایہ دارانہ نظام کی ہی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں پھر اسلامی معاشرتی تنظیم کی اسپرٹ یہ ہے کہ وہ طبقاتی نزاع کی روک تھام کرے اور افراد اور طبقات میں، باہمی تعاون پیدا کرے۔ وہ سرمایہ و محنت کو ان حالات سے نکالنا چاہتی ہے جو ان میں کشمکش پیدا کرتے ہیں اور ایسے حالات ان کو بہم پہنچانا چاہتی ہے کہ وہ باہمی تعاون کا جذبہ لے کر اپنی ریاست، سوسائٹی اور انسانیت کی خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب اصول و مقاصد کا بول بالا کریں۔

اسلامی معیشت کے اصول ریاست کی عدم مداخلت کے اس مفہوم کو قبول نہیں کرتے کہ محنت کار کو سرمایہ دار طبقوں کے بالکل رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے بلکہ وہ محنت کاروں کے حقوق کو متعین کر کے ان کا تحفظ چاہتی ہے۔

• سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی نظام معیشت کے اصول تقاضا کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو بنیادی ضروریات زندگی کی ہم رسانی کی ضمانت دے اور ضرورت مندوں کی کفالت کرے۔ اگر اس کے زیر سایہ کوئی فرد روٹی، کپڑے، مکان، تعلیم اور صحت کی ضروریات پوری کرنے سے محروم رہے تو اسلامی نقطہ نظر سے پورا اجتماعی نظام اور اس کے چلانے والے مجرم ہیں۔

نئی معاشرتی تنظیم | اسلامی تحریک مغربی نظام معاشرت کے مقابلے میں اپنی معاشرتی تنظیم کو بھی درست اصولوں پر قائم کرنا چاہتی ہے۔ اسلامی نظام معاشرت کے لئے خاندان سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ خاندان نہ صرف یہ کہ انسانیت کے لئے داعیات محبت و ایثار سے بھری ہوئی ایک فضا، ذہنی بھالی کے لئے ایک سکون گاہ اور اخلاقی محرکات کو جلا دینے والی ایک جنت جذبات فراہم کرتا ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ انسانیت کے پیرائے میں مختلف نسبی اور عہری رشتوں کے ٹانگے لگانے والا ادارہ ہے، بلکہ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نئی نسلوں کی پڑنے کے لئے ایسی کھوپڑیاں فراہم کرتا ہے جن کی آبپاری بڑے پاکیزہ جذبات سے ہوتی ہے اور

ہیں کو مضرت سے بچانے کے لئے قابل اعتماد انتظام ہوتا ہے۔

پس خاندان کے ادارے کو بچانے کے لئے اسلامی نظام معاشرت کے اصول تقاضا کرتے ہیں کہ مرد و عورت کے درمیان نکاح کے جائز راستے کو پوری طرح کھول دیا جائے اور زنا، اس کی ہر شکل، اس کے محرکات اور اس کے لئے سازگار ماحول کا کلیتہً خاتمہ کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اسلام نے علیحدگی مصنفین (Segregation of Sexes) کا اصول اور اس اصول کے تحت پردہ کا سسٹم اختیار کیا ہے۔ نیز اس نے مرد و عورت کے درمیان فرائض اور میدان عمل کی ایک مستقل تقسیم کر دی ہے۔ اس تقسیم کو توڑنے کے بعد پھر نہ پردہ کا سسٹم قائم رہ سکتا ہے، نہ علیحدگی مصنفین کا اصول کام کر سکتا ہے اور نہ پھر زنا کی روک تھام ہو سکتی ہے۔

اس معاشرتی تنظیم میں نظر ملازمی، زنا، برتھ کنٹرول، حرام اولاد، عشرت پسندی اور نام نہاد آرٹ اور بے حیائی کے اُس طوفان کے پھوٹ پڑنے کا کوئی امکان نہیں کہ جس کے زیر اثر مغرب میں انسانی اخلاق کی ساری بساط چوڑی ہو گئی ہے۔

بین الاقوامی پروگرام | اسلامی تحریک چاہے اپنا آغاز کس سے کر رہی ہو، لیکن وہ بہر حال اپنے سامنے ایک بین الاقوامی پروگرام رکھتی ہے۔ وہ جس اسٹیٹ کی شکل میں ڈھلنے والی ہے اس کے عین وجود میں انسانیت گیر تقاضے کام کریں گے۔

لیکن یہ چونکہ قومی اسٹیٹ نہیں ہوگا، اور پھر یہ مناد پرست اسٹیٹ بھی نہیں ہوگا، بلکہ یہ خدا پرست اور انسانیت کا خیر خواہ ہوگا، اس لئے اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ یہ دنیا کو ایک شکار گاہ سمجھ کر مکر و فریب کے جال اور تہ و جبر کے نیزہ و تلوار لے کر کمزوروں کو اپنا لقمہ بنانے نکلے۔ یہ امپیریلیٹ جذبات کے ساتھ بین الاقوامی لوٹ مار کا پروگرام بنانے والا اسٹیٹ نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس کے اس اسٹیٹ کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اپنے پاکیزہ اصولوں، اپنی تہذیب کی نئی بنیادوں اور اپنے مقاصد انسانیت کو دنیا کی ہر قوم اور شہر انسانیت کے ہر شہری تک پہنچانے کے لئے اپنے ذرائع و وسائل استعمال کرے اور جس حق پر اسس کی

بنیادیں قائم ہیں اس کا جھنڈا زمین کے ہر گوشے میں بلند کرے۔ پھر اسلامی تحریک کا اگر کوئی بنیاد قرار پرورگام ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کو ظلم کی ہر شکل سے نجات دلائے اور خاص طور پر غلط اصولوں کی گرفت سے اور انسانی حاکمیت کے جوئے سے اسکی گردن کو آزاد کرائے۔ اس کی سعی یہ ہوگی کہ دنیا بھر میں خدا پرستی، صداقت، راستی، انصاف، شرافت و اخلاق، اور دیانت و امانت کی قدر شناس طاقتیں لیجان ہو کہ خدا ناشناسی، مکرو فریب، ظلم، بد اخلاقی و بے حیائی اور خیانت و دست درازی کی طاقتوں کے خلاف جدوجہد کریں۔

حضرات! یہ ہے اسلامی تحریک کا مختصر تعارف جس کو لے کر ہم اٹھے ہیں۔ نہ جانے اس قسم کی ہمہ گیر تحریک کے متعلق مدرسہ و خانقاہ کی دنیا کو یہ بدگمانی کیسے لاحق ہوئی کہ یہ کوئی ان کی حریف قوت ہے۔ یہ قوت تو اس پورے دور تہذیب کی حریف بن کے اٹھی ہے کہ جس کے حدود تسلط سے آج کوئی مدرسہ و خانقاہ بھی باہر نہیں۔ ہم ان حضرات کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہماری طرف سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔

یکور تہذیب کی ناکامی کے بعد انسانیت بالوہی کے جس گڑھے کے قریب آ پہنچی ہے اور اس کے

سامنے جو خلا پیدا ہو رہا ہے اس کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ اب اسلامی تحریک میدان میں آئے۔ تاریخ انسانی میں جب کبھی اس طرح کا خلا پیدا ہوا ہے تو خدا کی تکوینی مشیت نے انسانی ہدایت کا سر و سامان کیا ہے اس لحاظ سے ہم محسوس کرتے ہیں کہ تحریک اسلامی ٹھیک اپنے وقت پر رونما ہوئی ہے۔ یہ نہ اپنے وقت سے پہلے آئی ہے اور نہ اپنے وقت کے بعد۔ پھر ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آج پوری دنیا پر صرف دو طاقتوں کا تسلط ہے اور ان کے درمیان ہونے والی جنگ ان میں سے ایک کا عنقریب خاتمہ کر دینے والی ہے۔ پھر کیا یہ دنیا کسی ایک مفسد طاقت کی جاگیر بن کے رہ جائے گی؟ — نہیں! قرآن کا فلسفہ تاریخ اس کے بخلاف ہمیں یہ یقین دلاتا ہے کہ خدا نے اپنی دنیا کو کبھی کسی ایک مفسد طاقت کے بس میں نہیں دیا ہے بلکہ ہر مفسد طاقت کے استیصال کے لئے اس نے کسی نہ کسی دوسری طاقت کو اٹھایا ہے۔ اس لحاظ سے بھی ہم یقین کرتے ہیں کہ آئندہ جنگ عظیم کے بعد کی تاریخ میں انسانیت کی نجات کے لئے جس قوت کو ایک اہم پارٹ ادا کرنا ہے وہ تحریک اسلامی ہی ہو سکتی ہے۔

یہ بات بھی ایک نال نیک ہے کہ مختلف مسلم ممالک جو تقبید مغرب کو ذریعہ ترقی کی حیثیت سے برسوں آزمانے کے بعد بھی مغربی طریقوں سے زندگی نہیں پاسکے، اب ان کے اندر کا نوجوان عنصر مغرب کی فکری غلامی کا جواگر دونوں سے اتار کر اسلام کا علمبردار بن رہا ہے اور متعدد ممالک میں اسلامی تحریک کی مومیں بیک وقت اٹھنے لگی ہیں۔ یہ مومیں آگے چل کر جب باہم گلے مل جائیں گی تو یہ ایک بے پناہ تاریخی قوت میں ڈھل جائیں گی۔ یہ حالات شہادت دیتے ہیں کہ اسلامی تحریک کے لئے میدان ہموار ہو رہا ہے۔ ہم اس بات کا پورا پورا یقین رکھتے ہیں کہ دیر صرف اتنی ہے کہ اس تحریک کو کسی ایک ملک کے باشندے دل و جان سے اپنالیں اور اس کے اصولوں پر ایک مرتبہ پورا نظام حیات تعمیر کر کے دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کر دیں۔ پھر نہ صرف یہ کہ مسلم ممالک، بلکہ وہ مغربی اور مشرقی ممالک بھی جہاں آج سرمایہ دارانہ جمہوریت یا اشترازم کا دور دورہ ہے اسکے اصولوں سے مفتوح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ سوال صرف یہ ہے کہ کونسا ملک جو آگے بڑھ کر جسے پہلے اس کا پیڑ اٹھانا ہے۔ اس سعادتِ عظمیٰ کا مینا سامنے رکھا ہے اور: جو خود بڑھ کر اٹھالے ماتھیں مینا اسی کا ہے! ہماری دلی تمنا اور ہماری سہمی یہ ہے کہ پاکستان ہی اس صبح سعادت کا مطلع بنے اور بظاہر حالات توقع بھی یہی ہے کہ ایک نئی تہذیبِ حق اور ایک دور امن کے افتتاح کا سہرا اسی خطہ کے سر نہر صیر گا۔ میں آپ کی نسبتاً میں گذارش کروں گا کہ یہ کام تو ہو کر رہنا ہے اور آپ اگر اس پر خدا نخواستہ تیار نہ ہوتے تو یہ خدمت کسی اور کے ماتھوں انجام پائے گی۔ وقت ہے کہ آپ ذمہ داری کو محسوس کریں اور خدا کے دین اور انسانیت کی اتنی بڑی خدمت کا جو موقع آپ کو مل رہا ہے اسے ضائع نہ کریں۔

آپ اگر دنیا بھر میں اسلامی تہذیب کی علمبرداری کا منصب اپنے لئے پسند کرتے ہوں تو پھر کھٹیا مقاصد پر زندگیوں بچھاؤ کرنے کی عادت چھوڑ دیں۔ ذرا ذرا سے فائدوں کے لئے اپنے آپ کو بیچے پھرنا، کبھی اس جتنے کے ساتھ ہو کر اسکا جھنڈا بلند کرنا اور کبھی اس ٹوٹی کے ساتھ جا کر زندہ باد کے نعرے لگانا، کبھی ایک کو پھپھارنے کے لئے استعمال ہونا اور کبھی دوسرے کو کرسی پر بٹھانے کیلئے آلہ کار بننا، یہ وہ ادنیٰ اور ذلیل مقاصد ہیں کہ جن میں ایمان و اخلاق اور قوتیں برباد کرنے کا نہ دنیا میں کچھ حاصل ہے، نہ آخرت میں۔ اب ان فضول کاموں کو چھوڑ دیجیے اور اس عظیم الشان کام میں اپنی قوتیں، اپنے مال، اپنے اوقات اور اپنی جانیں کھپائیے جسکی تکمیل میں صرف آپ ہی کی نہیں، آپ کی آئندہ نسلوں کی

در آپ کے ساتھ ساری دنیا کی فلاح ہے۔ اور پھر صرف دنیا ہی کی فلاح نہیں آپ کی، آخرت کی فلاح بھی آپ کی! اور آخر وہ لوگ ان کی مخلوق